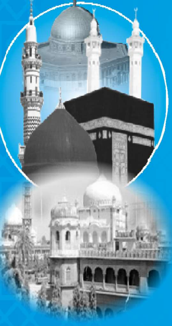
یا اللہ مدد — حیات النبی ﷺ زندہ باد — شان رسالت ﷺ زندہ باد — اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — شان صحابہ رضی اللہ عنہم زندہ باد — مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد — حق چار یار



مجلہ صفدر

اکابرین اہل سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

جون / جولائی 2023ء — ذوالقعدہ / ذوالحجہ ۱۴۴۴ھ

148--149

امام شعرانی فرماتے ہیں: یہ بات آپ سے پوشیدہ نہ رہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مدار دو ستونوں کے کلام پر ہے: ایک امام ابو منصور ماتریدیؒ اور دوسرے امام ابو الحسن الاشعریؒ۔ پس جس نے اِن دونوں کی یا دونوں میں کسی ایک کی اتباع کی تو اُس نے ہدایت پالی اور عقیدہ کی ہر قسم کج روی و فساد سے محفوظ ہو گیا۔ [اشاعرہ و ماتریدیہ ہی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں: ۳۸]

اپنے آپ کو پورا مسلمان بنا لینا بھی دین کی بہت بڑی اور بہت ضروری دعوت ہے: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کا ارشاد ہے: ”اسلام صرف نام لینے کی چیز نہیں، عمل کرنے کی چیز ہے۔ اسلام پر عمل کیجیے۔ اسلام بھی محفوظ رہے گا اور آپ بھی زندہ ہو جائیں گے۔“
[دعوت الی اللہ کے فضائل و آداب: ۶۷]

روایتِ حفص کی بھی ایسی متواتر سندات لکھی ہوئی نہیں ہیں جو آپ کو مطلوب ہیں، اُس کی سندات پر توجہ کریں تو وہ بھی احاد معلوم ہوں گی، تو پھر آپ نے اُس کو کیوں قبول کر لیا ہے، اور دوسری قراآت کو کیوں قبول نہیں کر رہے؟ قرات حفص کی متواتر اسانید پیش کرنے کی تکلیف کیجیے، تا کہ اِس کا تواتر ثابت ہو، اور جس طریقے پر اِس کا تواتر ثابت ہو گا اُسی طریقے پر باقیوں کا تواتر ثابت ہو جائے گا۔ [غامدی اجتہادات پر نظر: ۶۳]

بیاد
محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذِ رشید: سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرۃ مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہؓ
حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذِ رشید و خلیفہ مجاز
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مظہریہ دار المطالعہ سوہاوہ (سنڈا) جنہان
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

یا اللہ مدد | عقیدۂ حیات النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمۂ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ | مقامِ صحابہؓ زندہ باد | مقامِ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد | حق چاریارؓ

بیاد
محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امامِ اہلِ سنت تلمیذ حضرت مدنی شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

اکابر اہلِ سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا
سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

بفیضان
مظہرِ شریعت و طریقت قائدِ اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مجلہ صفدر

بیاد

مفسرِ قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ
فقیہ العصر ترجمانِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ
فخرِ اہلِ سنت وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ
امینِ ملت مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبانِ مسلکِ احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ
ترجمانِ مسلکِ اہلِ سنت دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ
جانشینِ شہیدِ اسلام محقق العصر سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا
وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی نور اللہ مرقدہ حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیرِ طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا
حبیب الرحمٰن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیلِ احناف مناظرِ اسلام حضرت مولانا
مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب حفظہ اللہ

مدیرِ اعلیٰ
مولانا جمیل الرحمٰن عباسی
0301-7790908

مدیرِ مسئول
مولانا احسن خدامی
0320-4902150

مدیر
حمزہ احسانی
0307-5687800

فی شمارہ 100 | زرِ سالانہ 600

برائے رابطہ: مکان نمبر 4 گلی 82 محمود سٹریٹ محلہ سردار پورہ، اچھرہ لاہور 0312-4612774

فہرست

وفیات

-مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کے فرزند مولانا ریاض خان سواتی رحمہ اللہ [گوجرانوالہ]
-فخر اہل سنت مولانا عبداللطیف جہلمی کی بھابھی، مولانا حکیم مختار الحسینی کی اہلیہ رحمہا اللہ
-مجلّہ صفدر کے مدیر اعلیٰ مولانا جمیل الرحمٰن عباسی کی ہمشیرہ محترمہ اور چچا بشیر احمد عباسی رحمہما اللہ
-معروف مصنف اشتیاق احمد مرحوم کے فرزند ڈاکٹر نوید احمد رحمہ اللہ [جھنگ]
-شیخ التفسیر مولانا ادریس کاندھلویؒ کے فرزند مولانا محمد میاں صدیقی رحمہ اللہ [اسلام آباد]
-مدرسہ حسینیہ سرگودھا کے سابق چوکیدار، مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء کے عزیز نثار احمد رحمہ اللہ
-مولانا قاری عبدالخالق عمر [گجرات] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ
-مولانا سفیان عطاء کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [ڈیرہ غازی خان]
-دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سعید احمد پالن پوری کی بہو اور پوتا رحمہما اللہ [انڈیا]
-مولانا مفتی عنایت الکریم [ملتان] کے ماموں زاد بھائی کی بیٹی رحمہا اللہ
-مولانا یحییٰ عباسی کے فرزند مولانا فاروق حیدر عباسی رحمہ اللہ [جتوئی]
-ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر مولانا رابع حسنی ندوی رحمہ اللہ

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور بلندئ درجات کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

دریچہ دِل

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو

اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ هَوَاهُ..!

(پھر کیا آپ نے اُسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے۔[جاثیہ:۲۳])

معبود وہ ذات ہے جو محبوبِ حقیقی ہے۔اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے ''لاالہ الا اللہ'' سے دی۔جس میں تمام معبودوں کی نفی اور ایک وحدہ لاشریک لہ کا اثبات ہے۔ تمام طواغیت کو ''لا'' کی ضرب سے ختم کرنا ہے۔بتوں کی عبادت پہ حقیقی ضرب تب لگے گی جب اپنے وجود کے بت پرضرب لگے گی۔جب یہ بت ختم ہوگا تو سارے اصنام خود(بخود) ختم ہوجائیں گے۔ ؎

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دِل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں!

صنم خانے سے بت اُنھوں نے گرائے جن کے اپنے بت گر گئے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق جب نفس اور خواہشات کے پیچھے چلنا اس کو''معبود'' بنانا ہے تو ''لاالہ'' کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے ضرب اپنے نفس پر لگے۔اِسی لیے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیمات کی محنت اِس بت کو گرانے پر تھی۔ ؎

مٹا دیا میرے ساقی نے عَالَمِ مَن تُو
پلا کے مجھ کو مئے لا الہ الا ھو

(جیسے)ایک میان میں دوتلواریں نہیں آسکتیں، (ایسے ہی) ایک وجود میں دو کے لیے جگہ نہیں۔یا (تو) اللہ تعالیٰ کی رضا آئے گی یا (پھر) نفس کی رضا۔نفس اور خواہشات کی منزل پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی منزل آگے ہے۔نفس کی رضا اور خواہشات پرچل کر کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی منزل نہیں پاسکتا۔ محبوبِ حقیقی کی محبت پانے کے لیے جو (اپنے) فانی وجود کو نافی کرے گا اُسے حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی بقاء سے مشرف فرمائیں گے۔

اے اللہ! تو ہمارے نفس کی ظلمات کوختم فرما اور وجود کے حجابات ہٹا۔تاکہ آپ کے مقدس نُور سے آپ کو دیکھیں۔آمین۔

۸رشوال المکرّم ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۹راپریل ۲۰۲۳ء، ہفتہ

پیامِ صفدر

مولانا محمد عرباض خان سواتی
خطیب مسجد نور و ختم نبوت سنٹر (لندن)

برادرِ مکرم مولانا صوفی محمد ریاض خان سواتی نوراللہ مرقدہ

ابن مفسر قرآن، محدثِ کبیر مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ (بانی: جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)
(۱۹۶۸ء ...... ۲۰۲۳ء)

میرے بڑے بھائی حضرت مولانا صوفی محمد ریاض خان سواتی نوراللہ مرقدہ مختصر علالت کے بعد ۷رذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۸رمئی ۲۰۲۳ء بروز اتوار پچپن (۵۵) سال کی عمر میں خالق حقیقی کے حضور پیش ہوگئے۔ اُن کی نماز جنازہ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں ادا کی گئی اور شہر کے قدیم قبرستان میں والد محترم (مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی) نوراللہ مرقدہ کے قریب اُن کو قبر کی جگہ نصیب ہوئی۔ اُنہوں نے پس ماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے اور تین بیٹیاں سوگوار چھوڑے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون

ہمارے بڑے بزرگوں کے بعد نہ صرف پورے خاندان بلکہ حلقہ احباب، متعلقین اور اہل شہر کے لیے اُن کا وجود شجر سایہ دار اور اُن کا سایۂ شفقت باعثِ تقویت و اطمینان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اپنی بلند نسبتوں کا پاس رکھنے کی خصوصی توفیق عطا فرمائی تھی، اور اِنھی نسبتوں کا لحاظ رکھنے کے باعث اُن کو مقبولیت کے اعلیٰ ترین مراتب پر فائز فرمایا تھا۔ وہ اپنے اخلاق کریمانہ اور زندہ دِلی کے باعث ہر دِل عزیز تھے، اُن کی درویشانہ، قلندرانہ، عاجزانہ، انتہائی ملنسار، مہمان نواز، متحرک اور سخی شخصیت متعلقین کے دِلوں میں بستی تھی۔

اُنہوں نے اپنی تمام زندگی مدرسہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اُن کی جہد مسلسل اور لگاتار محنتوں کی بدولت اِدارہ کو ترقی کی نئی بلندیاں نصیب ہوئیں، روحانی سلسلے میں اُن کی شاندار خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ وہ ہر دینی تحریک کے محاذ پر اول دستے کا کردار اَدا کرنے والے تھے، بین المذاہب رَواداری اور ملکی اَمن واَمان کے لیے اُن کی قربانیاں کبھی فراموش نہیں کی جاسکیں گی۔ اُن کی ہمہ جہت خدمات کا دائرہ مختلف شعبوں کے وسیع دائروں میں پھیلا ہوا ہے۔

اُن کی اِس طرح اچانک وفات سے ہر کوئی غمگین اور صدمے کی کیفیت میں ہے، ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے جو دُور دُور تک پُر ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ اللہ کریم اُن کی خطاؤں کو معاف فرمائے، خدمات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر درجات عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

تاحدِ نگاہ دکھائی دینے والے انسانوں کے سمندر نے اپنے محسن کے جنازے میں شرکت کی، علماء

کرام، طلبہ عظام، معززین شہر، محبین و مخلصین و متعلقین و مریدین نے بوجھل دِلوں سے اپنے محبوب کو الوداع کیا، تعزیت کے لیے تشریف لانے والوں کا سلسلہ بھی تا حال جاری ہے، دنیا بھر سے عقیدت و محبت رکھنے والوں نے فون، وٹس ایپ پیغامات اور سوشل میڈیا کے پلیٹ فارموں کے ذریعہ اپنے دِلی جذبات کا اظہار فرمایا اور ہمارے صدمے اور غم میں برابر کے شریک ہو کر ہمیں حوصلہ دیا۔ ہم ان سب کے بے حد ممنون اور شکر گزار ہیں۔ اور اپیل کرتے ہیں کہ اپنے اپنے مقامات پر مغفرت اور بلندئ درجات کی دعاؤں اور ایصال ثواب کا اہتمام فرماتے رہیں۔ اللہ پاک اجر عظیم سے نوازیں۔ آمین

☆......☆......☆......☆

چوہدری صاحب، ناظم صاحب، صوفی صاحب:

بھائی صاحبؒ اِن تین القابات سے مشہور و معروف تھے۔ ذیل میں ان کی وجہ ذکر کی جاتی ہے:

(۱)۔ چوہدری صاحب: ہمارے والد ماجد کے دیرینہ دوست، مدرسہ نصرۃ العلوم کے ابتدائی مدرس، ہمارے مشفق چچا و استاذ شیخ الحدیث مولانا عبد القیوم ہزارویؒ پیار سے ہم سب بہن بھائیوں کو مختلف القابات سے پکارا کرتے تھے، بھائی صاحب کو اُنہوں نے ہی ''چوہدری'' کا لقب دیا تھا جو ایسا مقبول ہوا کہ اُن کے نام کا جزو بن گیا۔ اُن کے بچپن کے ساتھی، زمانہ طالب علمی کے جگری دوست، عزیز و اقارب، اساتذہ، علماء و طلبہ بلکہ ہر خاص و عام اُن کو ''چوہدری صاحب'' کہتا تھا۔ اور حقیقتاً وہ اس لقب کے معیار پر پورے بھی اُترتے تھے۔ ایک دنیا معترف ہے کہ اُن کی شخصیت میں بڑا اپن تھا، وہ اپنی وسعتِ ظرفی کی بنا پر ''چوہدری'' کہلانے کے مستحق تھے۔ ایک ایسے باکمال انسان جو ہمیشہ دِلوں میں زندہ رہیں گے۔

(۲)۔ ناظم صاحب: مدارس کی دنیا اِس بات کو بخوبی سمجھتی ہے کہ کسی بھی مدرسہ میں مہتمم کے بعد ناظم کا منصب ایک بڑا منصب ہوتا ہے، جس کے ماتحت کئی شعبے کام کرتے ہیں۔ ناظم کا عہدہ مدرسہ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد بھائی صاحب مرحوم و مغفور حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی سرپرستی میں مدرسہ نصرۃ العلوم کے ''نائب ناظم'' اور ''مدرس'' مقرر ہوئے۔ چند سال بعد آپ ''ناظم'' کے عہدہ پر منتخب ہو گئے۔ اِس عہدے اور ذمہ داری کی وجہ سے آپ کو ''ناظم صاحب'' کہا جاتا تھا۔ یہ لقب بھی اس قدر مقبول عام ہوا کہ متعلقین مدرسہ میں ہر چھوٹا بڑا آپ کو ''ناظم صاحب'' کہتا تھا۔ آپ نے اس لقب و عہدہ کی بھی لاج رکھی، ادارہ کی تعمیر ترقی کے لیے اپنے آپ کو فنا کر دیا، اور ادارہ کو کمال بلندیوں پر پہنچایا۔ ادارہ کے مرحومین بزرگوں کی روحیں یقیناً خوشی سے سرشار ہوں گی۔ **فللہ الحمد علی ذلک.**

(۳)۔ صوفی صاحب: حضرت والد صاحبؒ نے اپنی تصوف و طریقت کی تمام اجازتیں

اُنہیں عطا فرمائی تھیں۔اس کے ساتھ ساتھ والد ماجد نے عم مکرم حضرت امام اہل سنت (مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ) سے بھی درخواست کی کہ آپ بھی اس کو اجازتیں عطا کر دیں، چنانچہ حضرت امام اہل سنتؒ نے بھی نہ صرف اُن کو اجازتیں عطا فرمائیں بلکہ وہ برملا فرمایا کرتے تھے کہ: ''صوفی'' ریاض کی موجودگی میں دم تعویذ کے لیے خصوصاً گوجرانوالہ سے کسی کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔اِس کے علاوہ سید العارفین حضرت سید انور حسین نفیس شاہ رحمہ اللہ، سرمایہ اہل سنت رئیس المناظرین مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ اور دیگر بڑے بڑے اکابر نے بھی نسبتوں سے نوازا تھا۔اِن نسبتوں کی بدولت خصوصاً حضرت والد ماجدؒ کے انتقال کے بعد آپ کو''صوفی ریاض صاحب'' کہا جانے لگا۔

اللہ رب العزت نے آپ کو اِن نسبتوں کی لاج رکھنے کی توفیق بخشی اور مقبولیت عطا فرمائی۔اگر میں یہ بات لکھوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ وہ ایک ایسی قد آور شخصیت تھی جس کی ہمہ گیر خدمات کا دائرہ اِس قدر وسیع ہے کہ اگر اُن پر کئی کتابیں بھی لکھ دی جائیں تو اُن کی خدمات کا احاطہ نہیں ہو سکے گا۔اِسی لیے تو ان کو ''نسبتوں کا امین'' کہتے ہوئے ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔



ہمارے والد ماجد مفسر قرآن محدث کبیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ (بانی جامعہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور گوجرانوالہ) کی اولاد یعنی ہم بھائی بہنوں میں برادرِ مکرم مولانا ریاض خان سواتی رحمہ اللہ تیسرے نمبر پر تھے، سب سے بڑی ہمشیرہ محترمہ ہیں۔پھر بڑے بھائی اور تیسرے نمبر پر بھائی ریاض صاحب رحمہ اللہ تھے۔گویا بھائیوں میں آپؒ دوسرے نمبر پر تھے۔

آپ کی پیدائش ۲۷رمحرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۶راپریل ۱۹۶۸ء مکان نمبر B-50-B-19 گلی مسجد نور والی، محلّہ فاروق گنج، گوجرانوالہ پاکستان میں ہوئی، یہی گھر ہم سب کی جائے پیدائش ہے۔خاندانی اعتبار سے ہم''یوسف زئی سواتی پٹھان'' قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

بھائی صاحبؒ نے ابتدائی عصری پرائمری تعلیم سے لے کر حفظ و قرأت اور درس نظامی تک مکمل دینی تعلیم جامعہ نصرت العلوم میں ہی حاصل کی تھی۔۱۹۸۳ء میں آپ نے حفظِ قرآن کی تکمیل کی، آپ کے حفظ کے استاذ الشیخ قاری منیر احمد شاہد زید قدرہ ہیں، جن کا تعلق گوجرانوالہ شہر سے ہی ہے، اُن کا حضرت والد صاحبؒ سے بہت گہرا اور قریبی تعلق تھا، والد صاحبؒ کی اجازت سے قاری صاحب سعودی عرب منتقل ہو گئے تھے، ایک عرصے سے اَب وہیں مقیم ہیں اور دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

۱۹۸۷ء میں بھائی صاحبؒ نے تجوید و قرأت سے فراغت حاصل کی، آپ کے تجوید کے استاذ

حضرت قاری عبید اللہ اعوانؒ تھے، جو بڑے پائے کے زبردست قاری تھے، انہوں نے برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے قاری امام القراء حضرت قاری عبد المالکؒ اور حضرت قاری عبد الخالقؒ (مصنف تیسیر التجوید) سے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں براہ راست قراءت کی تعلیم حاصل کی تھی، ان کا تعلق ضلع گجرات کے ایک گاؤں ''مرجان'' سے تھا، ربع صدی انہوں نے جامعہ نصرت العلوم میں شعبہ تجوید وقرأت کے صدر مدرس کی حیثیت سے شاندار و مثالی خدمات سرانجام دیں، وہ ہم سب بہن بھائیوں کے استاذ تھے۔

۱۹۸۸ء میں بھائی صاحب رحمہ اللہ نے عمِ مکرم امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ سے دورۂ تفسیر قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی، اُس زمانہ میں حضرت امام اہل سنتؒ کے دورۂ تفسیر کی شہرت کا ڈنکا ایک عالم میں بجتا تھا۔ دنیا بھر کے دو درجن کے لگ بھگ ممالک کے علماء وطلبہ نے مختلف سالوں میں یہ دورۂ تفسیر کیا۔ پاکستان کے جیدا کابر اس دورۂ تفسیر میں شامل ہونا باعث فخر سمجھتے تھے۔

۱۹۹۲ء میں بھائی صاحب مرحوم نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں حضرت امام اہل سنت، حضرت والد ماجد، مولانا عبد القیوم ہزاروی، مولانا محمد یوسف خان، مولانا عبد المہیمن، مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروی، مولانا اللہ یار، مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی رحمہم اللہ اور شیخ الحدیث مولانا حافظ عبد القدوس خان قارن مدظلہم کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

زمانہ طالب علمی سے ہی بھائی صاحبؒ کی مجاہدانہ زندگی کا آغاز ہو گیا تھا، جرأت و بہادری آپ کے اَندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ بڑے باہمت انسان تھے، جب سوویت یونین کی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں اور عالم اسلام کی طرف سے باقاعدہ جہاد کا اعلان ہوا تو آپ نے تحریک کے مرکزی قائدین کے شانہ بشانہ صف اول کے دستوں میں شامل ہو کر باقاعدہ کئی جنگیں لڑیں، تحریک کی تمام جماعتوں میں آپ کا بڑا مقام و مرتبہ تھا اور یہ تعلق ہر دور میں قائم رہا۔

۱۹۹۲ء سے آخر دم (۲۰۲۳ء) تک آپؒ نے جامعہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور گوجرانوالہ میں مدرس، نائب ناظم، ناظم اعلیٰ، ناظم ماہنامہ نصرۃ العلوم، نائب صدر کمیٹی انجمن نصرۃ الاسلام وغیرہ عہدوں پر شاندار و بے مثال خدمات سرانجام دیں، مدارس کی دنیا میں آپ ایک کامیاب و منظّم ناظم کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے، اداروں کے سربراہان خصوصی مشاورت کرنے کی لیے آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے، آپ کی وسعتِ قلبی نے آپ کو مسلکی، جماعتی، سیاسی، سماجی ہر طبقہ فکر کے لوگوں میں ہر دل عزیز بنا دیا تھا، جامعہ کے ماحول میں طلبہ کو ماں باپ کی تمام محبتیں اور شفقتیں آپ کی صورت میں ملتی تھیں، اِسی لیے طلبہ کا آپؒ کے ساتھ اِنتہائی نیازمندانہ اور محبانہ تعلق تھا۔ اِس قدر مصروفیات کے باوجود آپ ابتدائی درجات کے

چند اسباق بھی ضرور پڑھا دیا کرتے تھے۔

۱۹۹۵ء میں ''ماہنامہ نصرۃ العلوم'' کے آغاز کی صورت میں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ آپؒ کی شروع سے ہی یہ خواہش تھی کہ ہمارے جامعہ کا بھی ایک مستقل ماہانہ رسالہ ہونا چاہیے، جس کا تذکرہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے، لیکن حالات اور ایک بہتر ٹیم نہ ملنے کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔ ۱۹۹۵ء میں والد ماجدؒ کے ایک مایہ ناز شاگرد اور میرے استاذ الخاص حضرت مولانا حافظ عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ آف ٹیکسلا (ایم اے، ایل ایل بی) کی جامعہ میں دوبارہ تدریسی خدمات کا آغاز ہوا۔[1] اُنہی کی خصوصی کاوشوں سے ماہنامہ کے لیے ایک بہترین ٹیم معرض وجود میں آئی، وہی مدیر مسئول مقرر ہوئے، راقم بھی کچھ عرصہ اس ٹیم کا حصہ رہا، پرانے شماروں میں نام و مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔

ماہنامہ کی ترسیل و انتظامات کے لیے سب کا مشترکہ انتخاب بھائی صاحبؒ ہی تھے، آپ ناظم ماہنامہ مقرر ہوئے اور اس شعبہ میں بھی آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں جو ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

۱۹۹۱ء میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی شدید علالت کے باعث ہمارے سب سے بڑے بھائی مولانا محمد فیاض خان سواتی کو مدرسہ نصرۃ العلوم کا مدیر و مہتمم مقرر کر دیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد مدرسہ کی کمیٹی ''انجمن نصرۃ الاسلام'' کے ذمہ داران کا مہتمم صاحب سے اختلاف ہو گیا جو بڑھتے بڑھتے اِس حد تک پہنچ گیا کہ ۱۹۹۹ء میں کمیٹی کے صدر اور سیکرٹری صاحبان نے مہتمم صاحب کے ساتھ کسی بھی طور پر کام کرنے سے صاف صاف اِنکار کر دیا، جب معاملات کسی طرح سلجھنے میں نہیں آئے تو والد صاحبؒ نے خود اور اپنی اولاد کو مدرسہ کے معاملات سے بالکل الگ اور لاتعلق کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

برادرِ مکرم مولانا ریاض خان سواتی رحمہ اللہ کو والد صاحبؒ کے اِس فیصلے سے اتفاق نہیں تھا، اُن کی رائے یہ تھی کہ ادارہ سے الگ ہونا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ چنانچہ انہوں نے والد ماجد کو قائل کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔

---

[1] استاذِ مکرم مولانا عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ ابتدائی دور میں جامعہ نصرت العلوم میں مدرس رہے، پھر ایک اہم عہدہ کی خدمات کے لیے ٹیکسلا چلے گئے، ریٹائرمنٹ کے بعد والد ماجدؒ نے اُن کو دوبارہ تدریس کے لیے بلا لیا، ان کے واپس آنے سے سب کو بڑی تقویت ملی، بلا کے ذہین اور چوٹی کے مدرس و منتظم تھے، ایسے ذہین ترین انسان میں نے زندگی میں کم ہی دیکھے ہیں، راقم جب تجوید و قرأت کی تعلیم سے فارغ ہوا تو والد ماجدؒ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا، اس طرح مجھے ایک عمدہ استاذ کی صورت میں ایک شفیق چچا بھی مل گئے، میں نے ان سے فارسی و انگریزی کی ابتدائی کتب و گرامر، صرف و نحو کی کتب، علم النحو، نحو میر، شرح مائۃ عامل، میٹرک کی کتب اور کنز الدقائق جیسے اسباق پڑھے، انہی سے تقریر کرنا سیکھی، انہی سے لکھنا سیکھا، میری تعلیم و تربیت میں ان کا بڑا اہم کردار ہے۔ [عرباض]

دوسری طرف والد صاحب مرحوم کے جامعہ نصرۃ العلوم سے الگ ہونے کا فیصلہ سن کر پورے شہر بلکہ ملک بھر میں بے چینی اور شدید غم وغصہ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ جیدا کابر نے بھی والد صاحبؒ سے یہی عرض کیا کہ آپ خود کسی صورت اِدارے سے الگ نہ ہوں، نصف صدی پر محیط بہت بڑی محنت ہے، اِدارہ غلط ہاتھوں میں چلا جائے گا، بہرحال نگران سیٹ اپ قائم ہوگیا، اور مہتمم صاحب الگ ہوکر بیرون ملک چلے گئے، لیکن انتشار کی فضا مزید بڑھتی گئی، محبین ومخلصین اس نئے سیٹ اپ کے ساتھ چلنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے، آئے روز جھگڑے شروع ہوگئے، مجبوراً حضرت والد صاحب کو اہتمام کی ذمہ داری قبول کرنا پڑی، چنانچہ آپ کو ایک مرتبہ پھر مہتمم بنا دیا گیا، بھائی ریاض صاحبؒ نے اِس موقع پر کلیدی کردار ادا کیا، اور اِدارے پر قبضے کی تمام کوششوں کو ناکام بنادیا۔

چند ماہ بعد مستعفی رمعزول مہتمم صاحب کو بھی دوبارہ واپس بلا لیا گیا، نئی کمیٹی تشکیل دی گئی، پرانی کمیٹی کے ارکان نے ہمارے خلاف عدالتی کاروائی کا آغاز کردیا، ہم سب پر کورٹ کیس کیے گئے اور اِس سلسلہ میں گھر کی خواتین اور مدرسۃ البنات کی معلمات تک کو بھی نہیں بخشا گیا اور ان کے خلاف بھی کیس کردیئے گئے۔ پھر ایک طویل صبر آزما جنگ شروع ہوئی، کورٹ کچہری کی تمام بھاگ دوڑ بھائی ریاض صاحبؒ نے سنبھالی، ہم سب کی طرف سے سالہا سال عدالتی کاروائیوں میں بھرپور نمائندگی کا حق ادا کرتے رہے، پھر اللہ پاک نے ہمیں سرخرو فرمایا، کورٹ کیس کے فیصلے ہمارے حق میں ہوگئے، مخالفین بری طرح ناکام ہوئے، اس تحریک کے سبھی مخلص کردار زبردست خراجِ تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے ادارہ کے لیے لازوال قربانیاں دیں مگر بھائی ریاض صاحبؒ نے جس ہمت و بہادری اور استقامت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ملنی مشکل ہے، آپ کے یہ احسانات کبھی بھی فراموش نہیں کیے جاسکیں گے، نصرت العلوم کی تاریخ میں آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا، آپ نے تادم آخر ''نائب صدر: کمیٹی انجمن نصرت الاسلام'' کے عہدہ کی بھی کمال پاسداری کی۔

جنرل مشرف کے دورِ حکومت (۱۹۹۹ء) میں گوجرانوالہ کا ایک اقلیتی راہنما قتل ہوگیا، اُس مذہب کے لوگوں کا غم وغصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے انتظامیہ نے بلا جواز مدارس سے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کردیا، نصرت العلوم سے بھائی صاحبؒ اور میری گرفتاری عمل میں آئی، ہم نے نظر بندی کے تین دن تھانہ باغبانپورہ گوجرانوالہ میں اکٹھے گزارے، بلاشبہ آپ استقامت کا پہاڑ تھے۔ جنھوں نے کبھی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔

۲۰۰۰ء کے بعد بھائی صاحبؒ کی شخصیت کے کئی پہلو مزید اُبھر کر سامنے آئے، جذبہ خدمت سے

سرشار آپ کی شخصیت کا ہر کوئی دیوانہ ہو گیا، ادارہ میں آنے والے مہمانوں سے ان کے اکرام کا معاملہ یہ ہوتا تھا کہ جو ایک دفعہ ملنے کے لیے آتا اپنا دل اُن کو دے جاتا، انتظامات چاہے کسی بھی چیز کے ہوں، مسجد کے ہوں یا مدرسہ کے، جمعہ کے ہوں یا عیدین کے، تراویح کے ہوں یا قربانی کے، دستار بندی کے ہوں یا دعوت کے، ایسے عمدہ اور مثالی انتظامات رکھتے کہ کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ جو کام اپنے ذمہ لے لیتے دوسرے منتظمین کو اس سے فارغ کر دیتے، کسی کو اس طرف نظر کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ حضرت والد ماجدؒ کی تربیت، بزرگوں کے اعتماد، اساتذہ کی دعاؤں اور دوستوں کی محبت نے ان سے ایسے ایسے لاینحل مسائل حل کرائے جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

جماعتی اعتبار سے وہ ہمیشہ جمعیۃ علماء اسلام اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ رہے، آپؒ نے حضرت والد ماجدؒ کی روایات کو صحیح معنوں میں پروان چڑھایا، مسلک کی کسی بھی جماعت کی کبھی مخالفت نہیں کرتے تھے، جمعیت، ختم نبوتؐ، تحفظ صحابہؓ، جہادی، تبلیغی و دیگر تمام جماعتوں کے افراد کو زندہ دلی کے ساتھ خوش آمدید کہتے تھے، ان کے شانہ بشانہ چلتے، تمام پروگراموں، کانفرنسوں میں شریک ہوتے، اپنے بزرگوں کے نام و نمائندگی کا صحیح حق ادا کرتے، حق و صداقت کا جھنڈا اِس بہادری کے ساتھ بلند کرتے کہ مثال قائم ہو جاتی تھی، بلاشبہ آپ پروگراموں کی شان ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی اسفار کے لیے بطور خاص قبول فرمایا، آپ نے کئی حج اور ان گنت عمرے بھی ادا کیے۔

زمانہ طالب علمی سے ہی آپ ایک اچھے مقرر بھی تھے، آپ کا خطاب معلومات سے بھرپور، جذبات کی عکاسی، حالات کے صحیح تجزیہ پر مشتمل ہوتا تھا، قرآنی تعلیمات کی طرف دعوت آپ کا موضوع خاص ہوتا تھا، خطاب میں جوش و ولولہ نمایاں ہوتا جو سامعین کو مکمل متوجہ رکھتا، آپ نے تا دمِ آخر فضل مسجد ماڈل ٹاؤن گوجرانولہ میں خطابت کے فرائض انجام دیئے، ایک دنیا آپ کے خطابات سے مستفید ہوتی تھی۔

رفتہ رفتہ آپ کی ہردلعزیزی نے مزید راستے بنانا شروع کر دیئے، آپ کو گوجرانوالہ ضلع کی امن کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا، آپ نے نہ صرف شہر بلکہ ضلع بھر کے امن و امان اور بین المذاہب رواداری کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، آپ کی سوچ یہ تھی کہ حکومت چاہے کسی کی بھی ہو، ملک کو استحکام میسر آنا چاہیے، اِدارے اور جماعتیں اس کی اہمیت سمجھیں، یہ منزل مخالفت سے نہیں، مفاہمت سے چلتی ہے، ہمارے پیش نظر صرف ایک سیاسی نظام کا قیام نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہ ہمہ گیر انقلاب رونما ہو جو اسلام رونما کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے اللہ پاک نے انبیاء کو مبعوث کیا تھا اور جس کی دعوت دینے اور جدوجہد کرنے کے لیے ہمیشہ انبیاء کی امامت و راہنمائی میں امت مسلمہ کے نام سے ایک

گروہ بنتا رہا ہے۔ آپؒ سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں مذہبی رواداری کے ماحول کو فروغ دیتے جس کے نتیجے میں مذہبی منافرت اور تنگ نظری کا موقف پاش پاش ہوجاتا، فرقہ واریت کا عفریت بوتل میں بند ہوجاتا۔ اپنے مسلک کی بھرپور نمائندگی اور مسلک کے دوستوں کے جائز حقوق کی نگہداشت میں عدل وانصاف کے میزان کو کسی طرف جھکنے نہ دیتے۔ محلّہ وشہر ہی نہیں بلکہ ضلع بھر سے مسلم وغیر مسلم دوست احباب آپ کے پاس آتے، ان کے باہمی تنازعات کو اس حکمت عملی کے ساتھ طے کرتے کہ فریقین ان کے لیے دیدہ دل فرش راہ ہوجاتے، اقلیتی برادریاں آپ پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتی تھیں، آپ کی معتدل طبیعت، انصاف پسند مزاج کا ہر ایک نے اعتراف کیا، غرض کہ آپ نے خلق خدا میں عوام وخواص کی مخلصانہ خدمات کا ایک ریکارڈ قائم کیا کہ دنیا عش عش کر اٹھی۔

پھر وہ دَور آیا کہ اہل نظر کی گہری بصیرت نے خلق خدا کی باطنی اصلاح کے لیے بھی اپنی خصوصی توجہات آپ پر مرکوز کردیں، اور اِس خدمت کے لیے بھی آپ کو چن لیا گیا، یہ قدرت کے راز ہیں، رب جانتا ہے یا پھر اس کی برگزیدہ ہستیاں جنہیں علم کے بے پایاں سمندر سے کبھی قطرہ اور کبھی نصف قطرہ عطا کردیا جاتا ہے، عطا ظرف کے مطابق ہوتی ہے اور یہ عطا دراصل عطائے ربی ہوتی ہے، چنانچہ آپ کی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد فرماتے ہوئے آپ کے والد واستاذ ومرشد حضرت صوفی صاحبؒ نے اپنی تصوف و طریقت کی تمام اجازتیں عطا فرمائیں، نیز آپ کے عم مکرم واستاذ ومرشد حضرت امام اہل سنتؒ نے بھی اپنی اجازتیں عطا فرمائیں، اس کے علاوہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہؒ، مولانا عبدالستار تونسویؒ اور دیگر بڑے بڑے اکابر نے بھی ان کو نسبتوں سے نوازا، اسی وجہ سے ان کو ''نسبتوں کا امین'' کہا جاتا تھا۔

اللہ رب العزت نے آپ کو مقبول فرمایا، آپ نے خانقاہی نظام کو اکابر کے صحیح اُصولوں پر چلایا، خلق خدا کی خلوص دل کے ساتھ اصلاح فرمائی، آپ کے شاگردوں اور پیروکاروں کی تعداد ہزاروں میں ہے، ایک کثیر تعداد میں غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، سینکڑوں مساجد، مدارس، مکاتب، تنظیموں، جماعتوں اور رفاہی اداروں کے سرپرست تھے۔

بعض رفاہی خدمات اِس خاموشی کے ساتھ کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے دیتے، کئی گھروں کے چولہے آپ کے توسط سے چلتے تھے، جبکہ درویشی کا عالم یہ تھا کہ تمام زندگی رہنے کے لیے اپنا ذاتی گھر تک نہیں بنایا، حضرت والد صاحبؒ نے بھی ذاتی گھر نہیں بنایا تھا، اِدارہ قائم کرتے وقت جو جگہ ذاتی رہائش کے لیے ان کو الاٹ ہوئی تھی، اسی میں تمام زندگی گزاری، بعد میں ہم سب کے رہنے کے لیے اسی گھر کی ازسرنو تعمیر کروائی اور اس میں ادارے کا ایک روپیہ بھی خرچ نہیں ہونے دیا، نئی تعمیر کراتے وقت یہ آپؒ کی

خصوصی شرط تھی، چنانچہ ذاتی رقم اور محبین و مخلصین کے خصوصی تعاون سے اس گھر کی تعمیر ہوئی، والد ماجدؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بھائی صاحب بھی تمام عمر ادارے کے گھر میں ہی رہے، آپ نے یہ وعدہ بھی پورا کیا کہ میرا جینا مرنا ادارے کے ساتھ ہے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: میرا جنازہ یہیں سے نکلے گا۔

۱۹۹۲ء میں آپ کی شادی والد ماجدؒ کے رفیق خاص و سابق سفیر ادارہ حافظ صوفی عبدالکریمؒ کی صاحبزادی سے طے پائی جو کہ رشتے میں ہماری خالہ زاد بھی ہیں، وہ بھی حافظہ و عالمہ ہیں، ۱۹۹۳ء میں جامعہ کے شعبہ للبنات میں معلّمہ کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا اور گزشتہ تیس سال سے شاندار و مثالی خدمات سرانجام دے رہی ہیں، بھائی صاحبؒ کے پانچ بچے ہیں، دو بیٹے اور تین بیٹیاں، ایک بڑی بچی کی شادی فاضل جامعہ مولانا حافظ محمد قاسم خان سے گوجرانوالہ میں ہی ہوئی جبکہ باقی چاروں بچے ابھی پڑھائی کر رہے ہیں۔

بھائی صاحب پچپن (۵۵) برس کے تھے، صحت بہت اچھی تھی، البتہ کچھ عرصہ سے معمولی شوگر کا عارضہ لاحق تھا مگر یہ تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ کا آخری وقت آ پہنچا ہے، اچانک ہارٹ اٹیک کے باعث نجی ہسپتال میں داخل کیا گیا، بلڈ پریشر انتہائی لو ہونے کی وجہ سے دماغ پر بھی اسٹروک ہو گیا، اس سب کے باوجود طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی، ہوش و حواس مکمل تھے، کمزوری کی وجہ سے ڈاکٹر حضرات نے زیادہ سے زیادہ آرام کا مشورہ دیا، ہسپتال سے ڈسچارج بھی کر دیا کہ طبیعت مزید سنبھل جائے تو دل کی انجیو گرافی وغیرہ بعد میں کریں گے، دو دن گھر میں رہے، تیسرے دن ۲۸ رمئی ۲۰۲۳ء بروز اتوار صبح سات بجے کے قریب دوبارہ شدید ہارٹ اٹیک ہو گیا، گھر میں ہی روح پرواز کر گئی، اس فانی زندگی کی عارضی سانسیں اپنے خالق کے سپرد کر دیں، ہسپتال تو بس تسلی کے لیے ہی دوبارہ لے جانا ہوا، بیماری کے تمام ایام میں ذکر و اذکار اور درود شریف کثرت سے زبان پر جاری رہا، نماز جنازہ جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں اَدا کی گئی، علماء، طلبہ اور عوام الناس کی بہت بڑی تعداد نے جنازے میں شرکت کی، اور والد ماجدؒ کے قریب تدفین ہوئی۔

وہ صرف میرے بڑے بھائی ہی نہیں، میرے استاذ، میرے سرپرست، میرے دوست، میرے ہم نوالہ ہم پیالہ تھے، ایسا عظیم انسان اَب میں دوبارہ اپنی زندگی میں کبھی نہیں پا سکوں گا، لیکن وہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے، اللہ کریم ان کی تمام خطاؤں کو معاف فرمائے، جملہ خدمات کو قبول فرمائے، تمام اُخروی منازل کو آسان فرمائے، جنت الفردوس میں بلند درجات عطا کرے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ **اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی، اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی جنات النعیم بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔**

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ

حضرت محبوب کبریا ﷺ کی محبت میں جن عشاق صحابہؓ نے مصائب و آلام کے دریا عبور کیے اور المناک صعوبتوں میں گھرے رہے ان میں ایک نمایاں نام حضرت سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت صہیب ابن سنان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحیٰی تھی اور یہ کنیت خود آنحضرت ﷺ نے رکھی تھی، رومی کی نسبت سے مشہور ہیں، لیکن عربی الاصل ہیں، رومی کی نسبت سے اس وجہ سے شہرت پا گئے کہ اہلِ روم نے انہیں کمسنی میں قید کرلیا تھا اور ان کی زندگی کا طویل عرصہ روم میں گزرا، ان کے والد اور چچا کسریٰ (شاہِ ایران) کی طرف سے مقام ابلہ میں حاکم تھے، ان کے مکانات اور جاگیریں موصل شہر کے پاس دریائے دجلہ کے کنارے پر تھیں، اہلِ روم نے ان پر شب خون مارا، اس وقت حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کم عمر تھے اور رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، انہوں نے روم میں ہی نشو ونما پائی، قبیلہ کلب کے لوگوں نے انہیں اہل روم سے خریدا اور مکہ لے آئے تو عبداللہ بن جدعان تیمی نے بنو کلب سے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو آنحضرت ﷺ کی دعوت کو انہوں نے قبول فرمالیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ایک ہی دن مسلمان ہوئے، اس وقت تک قریباً تیس افراد اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کر چکے تھے، حضرت صہیب کا مکہ میں اپنا خاندان نہیں تھا اور نہ کوئی پرسان حال تھا اس لیے کفار مکہ بے خوف ہو کر بے دردی سے آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے، کفار کی ایذاء رسانی اور وحشیانہ مار پٹائی کی وجہ سے کئی مرتبہ بے ہوش ہوئے مگر یہ ظلم و جبر آپ کو آنحضرت ﷺ کی قدم بوسی سے باز نہ رکھ سکا، حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب رومیؓ جیسے لوگوں کے بارے میں ہی یہ آیت نازل ہوئی: والذین ھاجروا من بعد مافتنوا۔[نحل:۱۱۰]

حضرت صہیبؓ جب مکہ سے ہجرت کے لیے نکلے تو مشرکین مکہ کی ایک جماعت نے آپؓ کا تعاقب کیا اور آپؓ کو گرفتار کرنا چاہا، آپؓ نے ان سے فرمایا: ''انی من ارماکم ولا تصلون الی حتی ارمیکم بکل سھم معی ثم اضربکم بسیفی ''میں تیراندازی میں تم سے زیادہ ماہر ہوں، تم اس وقت تک میرے قریب نہیں بھٹک سکتے جب تک میرے پاس ایک بھی تیر موجود ہے، ترکش خالی ہو گیا تو میں تلوار سونت لوں گا۔'' ہاں ایک معاہدہ کی صورت ہے کہ میرا مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو، چنانچہ مشرکین نے مال پر صلح کر لی، جب حضرت صہیب کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یا ابا یحییٰ ربح البیع'' مال قربان کر کے ہجرت اور میری قدم بوسی کی سعادت کو پالینا گھاٹے کا سودا نہیں ہے بلکہ

انتہائی نفع بخش تجارت ہے۔اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی **ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد** (بقرہ:۲۰۷) یعنی بعض لوگ وہ ہیں جو اپنی جان اللہ کی رضامندی کے لیے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

چنانچہ یہ ہجرت کر کے ۱۵ ربیع الاول کو قباء میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملے، آنحضرت ﷺ نے ان کے اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کرادی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **السباق اربعة انا سابق العرب وصهيب سابق الروم وبلال سابق الحبشة وسلمان سابق الفرس** .''عرب سے میں سابق ہوں، روم سے اسلام کی طرف سبقت کرنے والے صہیب ہیں، حبشہ سے بلال اور فارس سے سلمان''۔رضی اللہ عنہم

حضرت مجاہد فرماتے ہیں **اول من اظهر اسلامه سبعة** ''سب سے پہلے اسلام ظاہر کرنے والے سات ہیں۔'' ان میں حضرت صہیبؓ کا بھی ذکر کیا۔

ایک مرتبہ حضرت صہیبؓ نے فرمایا: ''آنحضرت ﷺ نے جس معرکہ میں شرکت کی میں وہاں موجود تھا، حضور ﷺ نے جس کو بیعت فرمایا میں وہاں موجود تھا، حضور ﷺ نے جب بھی کوئی لشکر روانہ فرمایا میں حضور ﷺ کی خدمت میں موجود تھا، حضور ﷺ نے جب بھی جہاد کیا میں حضور ﷺ کے آگے پیچھے رہا، لوگوں نے جب بھی آگے سے خطرہ محسوس کیا میں آگے ہی ہوتا تھا اور لوگ جب پیچھے سے خطرہ محسوس کرتے تھے تو میں پیچھے ہوتا تھا، میں وفات تک حضور ﷺ کو دشمن کے اور اپنے درمیان نہیں رہنے دیا۔'' یعنی حضور ﷺ کا محافظ بنا رہا۔(الاصابہ)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مدینہ میں پہنچا تو حضور ﷺ قباء میں تھے اور میں آشوب چشم تھا حضور ﷺ کے سامنے کھجوریں رکھی تھیں، میں کھانے لگا، حضور ﷺ نے فرمایا تم آشوب چشم (بہتی آنکھ کے) باوجود کھجوریں کھا رہے ہو؟ میں نے جواب دیا **آکل فی شق عینی الصحیحة** ''میں اپنی آنکھ کے صحت مند حصے کے ساتھ کھا رہا ہوں، میرے اس جواب پر آنحضرت ﷺ اتنا ہنسے کہ حضور ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔(الاستیعاب:۳۷۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت صہیبؓ سے والہانہ محبت تھی، حضرت صہیب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابولؤلؤ کے حملہ میں زخمی ہونے پر وصیت فرمائی کہ نئے خلیفہ کی تقرری تک مسجد نبویؐ میں امامت کے فرائض حضرت صہیبؓ سرانجام دیں اور میری نماز جنازہ بھی حضرت صہیبؓ پڑھائیں۔

آنحضرت ﷺ کے یہ عاشق زار شوال ۳۸ھ میں مدینہ میں رحلت فرما گئے، اس وقت آپ کی عمر ۷۳ ربرس تھی۔(اسد الغابہ:۸۲/۲ و مقدمہ شرح بیضاوی، مولانا موسیٰ روحانی بازیؒ:۱۱۶/۱) ☆☆

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد

مجلس: ۱۴

المجالس الحسنه

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

21/دسمبر 2013ء......۱۸/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ بروز ہفتہ بوقت صبح

جھوٹے میسج

سوا سات بجے کے قریب سبق شروع ہو گیا۔ دو چار صفحات کی عبارت کے بعد حضرت نے گفتگو کا آغاز فرمایا، حدیث شریف میں جھوٹ کی وعید آئی، حضرت نے فرمایا: یہ جو ہمارے ہاں جھوٹے میسج ہوتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ ’’کفی لکذب المرء ان یحدث بکل ما سمع ‘‘ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔ اس سلسلے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

غیبت سے اجتناب

غیبت کی بات آئی۔ فرمایا: میرے نانا جی تھے ویسے تو ان میں اور بھی کئی خوبیاں تھیں لیکن ایک خوبی یہ تھی کہ میں نے ان کی زبان سے کبھی کسی کی غیبت نہیں سُنی۔ مرض الوفات میں جب میں نے آخری دفعہ زیارت کی، ماموں نے کسی کے بارے میں بات کرنا چاہی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے فوراً خاموش کرا دیا، میں نے ان کا آخری عمل یہ دیکھا تھا۔

خدمت بڑی چیز ہے

خدمت پر بات کرتے ہوئے فرمایا: خدمت سے آدمی بہت جلدی حاصل کر لیتا ہے، ہر کہ او خدمت کرد مخدوم شد۔ یہ رائیونڈ کے اجتماع کی تیاری کا سلسلہ ہے اس میں ہم بھی طالب علمی میں جب جامعہ قاسمیہ میں پڑھتے تھے شریک ہوتے۔ وہاں نہ جانے کون کیا کیا رتبہ پا جائے، اور اعمال کا ثواب لے جائے۔

لایعنی سے بچنے کا طریقہ

فرمایا: ’’لایعنی‘‘ سے بچنا چاہیے، اور بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ’’یعنی‘‘ میں مشغول ہو جائیں۔ یعنی فضول اور بے فائدہ کاموں کے بجائے اپنے وقت کو با مقصد کاموں میں اور نیک کاموں میں لگائیں۔ ضرورت اور مقصد کے کاموں میں اپنے آپ کو اتنا لگائیں کہ لایعنی کے لیے فرصت ہی نہ رہے۔

عیب پر ناگواری کا منشاء

حضرت نے استفسار فرمایا کہ اس دفعہ حضرت صوفی صاحب کی مجلس میں کیا بات چل رہی تھی؟ عرض کیا گیا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عیب پر ناگواری کا منشاء تکبر ہوتا ہے۔ آدمی یہ سوچتا

ہے میں تو اتنا پاک صاف اس نے میرا عیب کیسے بیان کر دیا ہے۔ آدمی یہ سوچے کہ میرے اندر تو بیسیوں عیب ہیں اس نے ایک بیان کیا ہے انیس پر تو اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ بعض دفعہ عیب کا اظہار اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ پھر حضرت نے ''تبلیغِ دین'' کا خاصہ ذکر فرمایا کہ اس کو پڑھنے سے عیوب کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا: ہاں وہ واقعہ آتا ہے ناں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا کہ کسی نے گالی دی تو کیا فرمایا جواب میں؟ فرمایا: میرے اور جنت کے درمیان ایک گھاٹی ہے اگر میں وہ عبور کر گیا تو مجھے تمہاری ملامت اور گالی کی کوئی پرواہ نہیں، اور اگر میں وہ پار نہ کر سکا تو میں ایک گالی کیا اس سے زیادہ کا مستحق ہوں۔ صحابہ تھے ناں! اس لیے عجیب جملہ فرمایا۔۔۔!!

بندے کی تعریف رب کی ستاری کی تعریف

فرمایا: میرے حضرت سے ایک صاحب پوچھنے لگے میرا اشتہار میں بعض اوقات نام بڑا آجاتا ہے تو دل میں خوشی محسوس ہوتی ہے، فرمایا: اللہ کا انعام سمجھیں کہ چلو اللہ نے عزت دیدی ورنہ کتنے عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے اور لوگوں کا حسنِ ظن بنا رکھا ہے۔ اس لیے میں عرض کروں: بندے کی تعریف درحقیقت اللہ کی شان ستّاری کی تعریف ہے۔ ایک بزرگ تھے جب کوئی ان کی تعریف کرتا تو فوراً کہتے: ''عبدالستار، عبدالستار''۔

پھر عرض کیا کہ بعض دفعہ اشتہار میں نام چھوٹا آجاتا ہے دل میں خیال ہوتا ہے کہ (کیا) میں اتنا چھوٹا سا آدمی ہوں کہ اشتہار کے ایک کونے میں میرا نام لکھا ہے؟

حضرت فرمانے لگے: تم یہ سوچو کہ میں اسی قابل تھا۔ چلو اشتہار میں کہیں کونے میں نام لکھ تو دیا ہے اگر نہ بھی لکھتے تو کیا تھا۔

میں عرض کروں: دنیا کی واہ واہ کچھ نہیں، آخرت میں واہ واہ ہونی چاہیے۔

غیبت کی حدیث پڑھنے پر فرمایا: بھائی اس حدیث کا دورہ تب مکمل ہوگا جب زبان کو غیبت وغیرہ سے تالا لگ جائے۔

تربیت کے بغیر بڑا آدمی بھی چھوٹا ہے

فرمایا: اصلاح کی بڑی ضرورت ہے، تربیت کی بہت ضرورت ہے۔ حضرت اقدس محمد شاہ اختر صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے:

''جب تک اصلاح نہ ہو آدمی چاہے کتنا ہی بڑا ہو روحانی طور پر نابالغ ہی رہتا ہے۔''

میں جب جامعہ قاسمیہ میں پڑھتا تھا تو حضرت یہاں دارالعلوم اسلامیہ میں تشریف لائے، میں نے بیعت کی درخواست کی، حضرت کا رجحان بن گیا، لیکن حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت

برکاتہم نے فرمایا: انہیں کہیں کراچی حاضر ہوں بیعت کے لیے، حضرت نے ان کی دلجوئی کے لیے یہی فرما دیا۔ پھر فرمایا: میرا ایک رسالہ ہے روح کی بیماریاں اور ان کا علاج اسے اگر ۱۶/سال کا نوجوان پڑھ لے تو اس کی جوانی اللہ کے حکم سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ میں نے وہ رسالہ خریدا اور پڑھا جگہ جگہ نشان لگائے، اب بھی کہیں رکھا ہوگا۔ اس میں یہ ساری چیزیں تھیں، غیبت وغیرہ کے بارے میں بھی لیکن پھر اللہ کی حکمتیں بیعت کی نوبت نہ آئی اور بیعت اپنے حضرت صوفی سرور صاحب دامت برکاتہم سے ہوگیا۔

بحمد اللہ حضرت کے تعلق کی وجہ سے اللہ نے بڑی بڑی گمراہیوں سے محفوظ رکھا، بڑی بڑی گھاٹیوں سے سلامتی سے گذارا۔ ۱۵/سولہ سال سے حضرت کے مدرسے میں بھی حاضری (ہوتی) ہے۔ ایک دفعہ فرمانے لگے آپ کے مزاج پر اسباق کا غلبہ ہے۔ حضرت مفتی عبدالقادر صاحب جامعہ دارالعلوم کبیر والہ والے تشریف لائے دیکھا کہ صبح سے ظہر تک اسباق ہی اسباق ہیں تو فرمانے لگے: اپنی اصلاح کی بھی فکر کرو۔

بس یہ جو کچھ تھوڑا بہت ٹوٹا پھوٹا سلسلہ ہے یہ اپنے بزرگوں کا سایہ ہے۔ طالب علمی میں اپنی اصلاح کی فکر ہو جانا بھی اللہ کا بڑا انعام ہے۔

میں عرض کروں: حضرت نانوتوی رحمہ اللہ میں علم کی کوئی کمی تھی! حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت تھانوی رحمہ اللہ، حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سب بڑے تھے، لیکن ان پر کسی نہ کسی بڑے کا سایہ تھا، بڑوں کے سائے کی بڑی برکت ہے۔

سونے کا ایک ذرّہ

فرمایا: پوری امت کی عبادتیں آپ ﷺ کی زبان اطہر سے نکلے ہوئے ایک سبحان اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ [قال بعضهم:

سونے کا ایک ذرہ لوہے کے من پہ بھاری　　　عارف کا ایک سجدہ زاہد کی عمر ساری

پرانا سودا

اصلاحی باتیں کرتے کرتے مسکراتے ہوئے فرمایا: مفتی شعیب صاحب سوچ رہے ہوں گے سبق میں کوئی نئی تحقیقات ملیں گی، لیکن بھائی میرے پاس نئی تحقیق کیا یہی پرانا سودا ہے۔

کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم

حدیثِ اعرابی آئی ''و اللہ لا ازید علی هذا ''۔ فرمایا: یہ دیہاتی بھی سیدھے سادھے ہوتے ہیں، صاف بات کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں میں ایک پانی پتی قاری صاحب آئے مغرب کی نماز پڑھائی اور قرائتیں کرنے لگے ''علیهم ''کو'' علیهمو ''پڑھا، نماز کے بعد ایک آدمی کہنے لگا ''یائے تو سورت فاتحہ بھی نہ آوے ہمو ہمو کرو ہو''۔ (اِس کو سورۂ فاتحہ بھی نہیں آتی، ہمو ہمو کر رہا ہے۔) ☆☆

مولانا مفتی عبید الرحمٰن، مردان

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ پر علامہ کوثریؒ کے اشکالات کا تجزیہ

ماضی قریب کے اہلِ علم میں سے علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ کا نامِ گرامی محتاج بیان نہیں ہے، آپ پچھلی صدی کے ان چند اہم زعماء وعلماء میں سے تھے جنہوں نے اپنے گہرے علم وعمل کی وجہ سے امت کی بڑی خدمت فرمائی۔ خلافت عثمانیہ کے آخری ٹمٹماتے چراغ کے آپ نائب شیخ الاسلام تھے، آپ نے اپنی زندگی میں بیسیوں مقالات ومقدمات لکھے، متعدد کتابیں تصنیف فرمائی جو سب اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ کی کتابوں میں سے ایک مشہور کتاب ''حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی'' ہے جو حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے حالات وخدمات پر مشتمل ضخیم اور بہت ہی مفید کتاب ہے، اس کتاب کے آخر میں آپ نے ایک خاص مناسبت کی بنیاد پر حضرت حکیم الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے متعلق بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے۔[حسن التّقاضی فی سیرة الإمام أبی یوسف القاضی:۳۴۳]

علامہ کوثری رحمہ اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کی علمی وعملی زندگی سے متعلق آپ کے چند تفردات (شاذ باتیں) ذکر فرمائے ہیں، یہاں پہلے وہ تفردات درج کیے جاتے ہیں اور پھر ان کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، دونوں مرحلوں میں جہاں تک اختصار ہو سکے، ملحوظ رکھا جائے گا۔

(۱)- پہلا اشکال: سندِ حدیث کی طرف عدم توجہ

علامہ کوثری رحمہ اللہ کا پہلا اشکال یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سند حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے، بلکہ متن حدیث ہی پر زیادہ تر بس کرتے ہیں۔[وکان الجد جید الاهتمام بمتون احادیث الاصول الستة لکنه کان یکتفی بهامن غیر نظر فی اسانیدها، ص:۳۴۸]

اشکال کا تجزیہ:

احادیث کی کتابوں سے اخذ واستفادہ کیسے کیا جائے؟ اس کے دو بڑے راستے ہیں:

الف: روایت کی سند کو دیکھا اور پرکھا جائے، اصول حدیث کے معیار کے مطابق اگر کوئی روایت درست ثابت ہوتی ہے تو اس پر اس حد تک اعتماد کیا جائے۔ یہ طریقہ قدیم وجدید اہل علم اور محققین کا رہا ہے اور سب سے زیادہ بے غبار، مفید اور علمی شاہراہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا نظریہ طبقات کتبِ حدیث:

ب: کتابوں کو مختلف طبقات پر تقسیم کر کے اس کا کوئی درجہ متعین کیا جائے۔اور پھر ہر روایت یا حدیث لیتے وقت اس کی سند دیکھنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ کتاب جس طبقے کی ہو،اسی کے مطابق روایت سے استفادہ کیا جائے۔اس لحاظ سے طبقات کتنے اور کونسے ہیں؟ کس طبقے میں کون کونسی کتابیں داخل ہیں؟اس پر سب سے مناسب بحث وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے خود اپنی مفید کتاب ’’حجۃ اللہ‘‘ میں ذکر فرمائی ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ کتب حدیث کے چار طبقات ہیں:

الف: طبقہ اولیٰ: اس میں امام مالک رحمہ اللہ کی موطا اور صحیح بخاری و مسلم داخل ہیں۔اس طبقے کی تمام احادیث صحیح اور درست ہیں۔

ب: طبقہ دوم: اس طبقہ کے اہل علم طبقہ اولیٰ کے مصنفین سے درجہ میں کچھ کم تھے البتہ علم وحفظ اور علم حدیث میں تبحّر ومہارت کے باوصف تھے،انہوں نے تساہل سے بچتے ہوئے کوشش فرمائی کہ صحیح احادیث کو جمع کر دیں۔سنن ابی داوٗد، ترمذی اور نسائی وغیرہ اسی درجے کی کتابیں ہیں۔

ج: طبقہ سوم: بخاری و مسلم کے زمانہ سے پہلے،اور بعد میں وہ تمام کتابیں جن میں صحیح روایات جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا بلکہ صحیح اور غیر صحیح متنوع قسم کی روایات کو جمع کیا گیا۔اس میں مسند ابی یعلیٰ، مصنّف عبدالرزاق، مصنّف ابی بکر ابن شیبہ، مسند عبد بن حمید، طیالسی، امام بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی کتابیں شامل ہیں۔

د: طبقہ چہارم: اس میں وہ کتابیں شامل ہیں جن کے مصنفین نے ماقبل طبقات کے علاوہ بقیہ روایات کو جمع کرنا چاہا،ان کا زیادہ تر مصدر وعظ وحکایات، تاریخ وقصص کی کتابیں ہیں،البتہ غیر مشہور نوعیت کے مجامیع اور مسندات بھی ان کے مصادر میں شامل ہیں۔اس طبقہ میں ابن حبان کی کتاب الضعفاء، کاملِ ابن عدی، علامہ خطیب بغدادی، ابی نُعیم، جوزجانی، ابن عساکر، ابن نجار اور حافظ دیلمی کی کتابیں شامل ہیں۔

ر: طبقہ پنجم: اس طبقہ میں وہ روایات شامل ہیں جو صوفیہ وغیرہ کی زبانی حدیث کے نام پر مشہور ہوئی ہیں لیکن حقیقت میں وہ روایت نہ ہو اور اس میں وہ کتابیں شامل ہیں جو پچھلے چار طبقات میں نہیں ہیں۔ [1]

[حجۃ اللہ البالغہ، باب طبقات کتب الحدیث: ۱/۳۷]

---

[1] یہ تقسیم تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خود ذکر فرمائی ہے۔طبقاتِ کتبِ حدیث کی یہ بحث حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ’’عجالہ نافعہ: ۱۲۸‘‘ حضرت مولانا محمد قاسم نونوتوی رحمہ اللہ نے ’’اجوبہ اربعین‘‘ میں ذکر فرمائی ہے۔(ملاحظہ ہو: مجموعہ مقالات: ۶/۴۳۹)۔

حاصل کلام:

طبقات کتب حدیث کی یہ تقسیم درست ہے یا نہیں؟ ہر ہر طبقہ میں جن کتابوں کا نام گنوایا گیا ہے، کیا وہ واقعۃً اسی طبقہ میں درج کرنے کے لائق ہیں یا نہیں؟ [۱]

ان جیسی باتوں سے صرفِ نظر کر کے جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح کتابوں کی تقسیم کے بعد سند دیکھنے کی کوئی زیادہ ضرورت باقی نہیں رہتی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں تو یہ کہنا بجا ہے کہ وہ احادیث کی صحت وضعف اور اس کے اسباب ووجوہات کا بہت کچھ علم رکھتے تھے، اس لئے ان کے لئے اس میں کچھ زیادہ مشکل پیش نہ آتی تھی لیکن ہر شخص کے متعلق ایسا گمان کرنا مشکل بلکہ بے جا ہے۔ [۲]

لہٰذا اس فکر کو اگر فروغ ملا تو اس کا نقصان یہی ہوگا کہ سند حدیث دیکھنے اور اس کے جانچنے پڑتال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی اور یوں روایات کے ذخیرہ میں صحیح اور غیر صحیح کے فرق کا مستند ذریعہ برقرار نہیں رہے گا، حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ علمی ونظریاتی سطح پر یہ دین کی حفاظت کا ایک محفوظ حصار ہے جس کے ہوتے ہوئے حدیث وروایت کے نام پر کوئی اجنبی چیز دینِ متین کی اس عمارت میں گھس نہیں سکتی۔

---

[۱] مستند محققین نے کتبِ حدیث کے اس طبقاتی تقسیم کی (بظاہر) مخالفت ہی فرمائی ہے، اس تقسیم پر اعتماد کرنے کا نتیجہ یہی ظاہر ہوگا کہ اسناد اور اس سے متعلقہ علوم وفنون کی کوئی خاطر خواہ ضرورت نہ رہے گی جس میں دیگر نقصانات کے علاوہ ایک قابلِ لحاظ بات یہ بھی ہے کہ یہ علماءِ امت کے متوارث عمل کے خلاف ہے۔ حضرت شیخ علامہ عبدالفتّاح ابوغدۃ رحمہ اللہ نے بھی ''الاجوبۃ الفاضلۃ'' کے حاشیہ میں اس پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص:۹۰)

[۲] برصغیر پاک وہند کے مشہور محدث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ اس موضوع سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے گوناگوں علوم میں ایک محدث کو جس چیز کی کمی نظر آتی ہے، وہ یہی علم اسماء الرجال سے ان کی بے اعتنائی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس نہایت ضروری فن سے عدم اعتناء کے باعث ان کے قلم سے جابجا ایسی سخت فروگذاشتیں ہوگئی ہیں، کہ جنہیں دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے، چنانچہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں الانصاف فی سبب بیان الاختلاف، ''عقد الجید فی مسائل الاجتہاد والتقلید'' اور ''مصفی شرح موطا'' کے مقدمے میں جو تاریخ فقہ وحدیث سے متعلق بعض محض بے اصل باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں۔ اور ''مصفی'' وغیرہ میں جو انہوں نے جمہور فقہاء کے خلاف بہت سے مرجوح مسائل کو ترجیح دی ہے، وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ محدث کوثری ''حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی'' کے خاتمہ میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحقیقات کے متعلق بعض اُصولی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔۔۔ بہرحال احادیث کے استناد اور روایات کی ترجیح میں شاہ ولی اللہؒ کی تحقیقات علم اسماء الرجال پر مبنی نہیں، بلکہ کتابوں کی ترتیب پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں کتب حدیث کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا ہے اور شاہ عبدالعزیزؒ نے ''عجالہ نافعہ'' میں اس تقسیم کو بعینہٖ قائم رکھا ہے، البتہ اس بحث میں ان کے والد ماجد کے قلم سے جو بعض خلاف تحقیق باتیں نکل گئی ہیں، ''عجالہ نافعہ'' میں ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔'' (مقالات نعمانی، مقدمہ بر عجالہ نافعہ: ۲۳۵)

(۲)-دوسرا اِشکال: معجزہ شقّ قمر

علامہ کوثری رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے تفردات کے ضمن میں ایک یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے کہ وہ شق قمر کو حقیقت پر حمل نہ کرتے تھے اور اس بات کے قائل نہ تھے کہ آپ ﷺ کے لیے حقیقت میں چاند دو ٹکڑے کیا گیا بلکہ چاند تو اپنی شکل پر برقرار رہا، پر لوگوں کو ایسا دکھایا گیا کہ شاید دو ٹکڑے ہوا ہے۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

ومن إغراباته: عدُّه انشقاقَ القمر عبارة عن ترائيه هكذا للأنظار! وليس سحرُ الأعيُنِ من شأن رسُولِ الله، صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين. [حسن التّقاضی فی سيرة الإمام أبی يوسف القاضی :۳۴۸] ترجمہ: ”آپ رحمہ اللہ کے تفردات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ معجزہ شق القمر کو بس نظر کے سامنے ویسے ظاہر ہونے کو قرار دیتے ہیں (گویا کہ بس وہ ظاہری نظر سے اس طرح نظر آتا تھا، درحقیقت چاند بالفعل دو ٹکڑے نہیں ہوا تھا، اس تاویل سے بظاہر وہ نظر بندی کی ایک قسم شمار ہوگی) حالانکہ نظر بندی کرنا انبیاء علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی کتابوں میں ایسی کوئی عبارت سامنے نہیں آئی جس میں انہوں نے یہ صراحت فرمائی ہو، اسی طرح ان کے موافق ومخالف لوگوں کے کلام میں بھی ایسی کوئی بات ہمارے سامنے نہیں آسکی، جس سے بظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے خود ایسی کوئی بات نہیں فرمائی۔

تاہم بہت سے اہلِ علم کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی بعض عبارات کی وجہ سے مختلف لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی تھی اور انہوں نے یہ سمجھنا شروع کردیا تھا کہ شاید حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اِس معجزے کا ہی انکار کررہے ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے ”امالی ترمذی“ میں ہے:

ولقد أخطأ مولانا عبد الحليم حيث نسب إلى الشاه ولی الله إنكار شق القمر معجزة منه، فإن مراد الشاه ولی الله رحمه الله أن فی شق القمر غرضين: الدلالة على قرب الساعة، وبيان معجزته، ويعنى أن انشقاق القمر المذكور فی القرآن من علامات الساعة وفی ضمنه إثبات المعجزة على النبوة فليتدبر.

ترجمہ: ”مولانا عبدالحلیم رحمہ اللہ نے معجزہ شق القمر کے انکار کی جو نسبت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی طرف کی ہے وہ درست نہیں، کیونکہ حضرت شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ معجزہ شق القمر کے دو بڑے

مقاصد تھے: قیامت کا قریب ہونا، اور آپ کے معجزہ کا بیان (اثبات)۔ حضرت شاہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ معجزہ شق القمر جو قرآن میں موجود ہے وہ قیامت کی علامات میں سے ہے اور اس ضمن میں آپ ﷺ کی نبوت پر یہ معجزہ دلیل بھی ہے۔'' [العرف الشذی شرح سنن الترمذی :۳۳۴/۴]

اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے:

''ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا! کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ: شق قمر کا معجزہ علاماتِ قیامت سے ہے، اِس میں وقوع کا انکار نہیں بلکہ (مقصد یہ ہے کہ یہ چیز بطورِ) معجزہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے طلوع شمس من المغرب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں بلکہ علامات قیامت ہے، ایسے ہی شق القمر بھی معجزہ نہیں بلکہ علامات قرب قیامت سے ہے، جیسے آیت میں اقتراب ساعت کے اقتران سے مفہوم بھی ہوتا ہے۔'' [ملفوظات حکیم الامت: ۲۲۱/۱]

ان دونوں عبارتوں کے مفہوم میں تھوڑا سا فرق ہے کہ پہلی عبارت کے مطابق شق قمر کا مقصود صرف معجزہ ہونا نہیں تھا بلکہ قرب قیامت کی نشانی دکھلانا بھی مقصود تھا۔ (یعنی دونوں پہلو ہیں۔) جبکہ دوسری عبارت کے مطابق مقصود یہ ہے کہ شق قمر گو واقع ہوا ہے لیکن وہ اس حیثیت سے نہیں تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کا معجزہ تھا بلکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے طور پر ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

بہر حال اصل توجیہ تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت دیکھنے کے بعد ہی متعین کی جا سکتی ہے، تاہم درج بالا دونوں توجیہات کے مطابق مقصودی بات یہ ہے کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب کی طرف جو بات منسوب فرمائی ہے، وہ ثابت نہیں ہے اور حضرت شاہ صاحب شق قمر کے وقوع کا اِنکار نہیں کر رہے بلکہ اس کے معجزہ ہونے کی حیثیت ان کے ہاں ثابت نہیں ہے۔

(۳)۔ تیسرا اِشکال: عالم مثال کا قائل ہونا

اس حوالہ سے علامہ کوثری کے الفاظ یہ ہیں:

ومنها: حمله لمشكلات الآثار على وجوهٍ مبنيّةٍ على تخيُّل عالَمٍ يسميه عالَمَ المثال، تتجسَّد فيه المعانى فى زعم بعض المتصوفة، أخذًا عن المثُل الأفلاطونية، وهذا العالم خيالٌ لم يثبت وجوده فى الشرع ولا فى العقل، فتكون إحالةُ حل المشكلات على هذا العالم إحالةً على خيال، بل نفيًا لمعانى الآثار بسبب إلقائها فى مجاهل عالَمِ المثال، مع كون حمل الشئ على ما لا يفهمه أهلُ التخاطب فى الصدر الأول محضَ خبالٍ وضلال، فلا يبقى مجالٌ لِحل المشكلات غيرُ النظر فى الأسانيد ورجالها، وفى وجوه الدلالة المعتبرة، عند الأئمة البررة. [حسن التّقاضى فى سيرة الإمام أبى يوسف القاضى: ۲۴۹]

ترجمہ: ''حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بعض تفردات میں سے ایک تفرد مشکل روایات کو عالم مثال کے تصور پر حمل کرنا بھی ہے جہاں بعض صوفیاء کے نزدیک معانی کو ان کے مناسب اَشکال دی جاتی ہیں اور یہ ایک فرضی عالم ہے اور افلاطون کی خیالی باتوں سے لیا گیا ہے، شرعاً اور عقلاً اس کا کوئی وجود نہیں، لہٰذا مشکل روایات کو اس پر حمل کرنا خیالی باتوں پر حمل کرنے کے مترادف ہے۔ بلکہ عالم مثال جیسے غیر معروف محمل پر حمل کرنا دراصل ان روایات کا انکار ہے، کیونکہ قرن اول کے لوگوں کا اسے نہ جانتے ہوئے بھی اسے روایات کا محمل قرار دینا گمراہی ہے، مشکل روایات میں اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ ان روایات کی اسانید اور راویوں کی تحقیق کی جائے اور اس کا جو معنی سلف صالحین کے نزدیک ہے اس پر انہیں حمل کیا جائے۔''

اِشکال کا تجزیہ:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ''حجۃ اللہ'' کے شروع میں اس پر ایک تفصیلی باب باندھا ہے جس میں دسیوں روایات کو اختصار کے ساتھ ذکر کر کے اس کو عالم مثال پر محمول فرمایا ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کے فکر و نظر کا مشہور حصہ ہے، بیسیوں نصوص و مسائل میں وہ اس سے کام لیتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے پوتے حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''عبقات'' میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے، وہاں انہوں نے حضرت شاہ صاحب سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی فرمایا ہے کہ:

''تنبیہ: یاد رکھنا چاہئے کہ وجودِ مثالی کا انکار کرنے والا صحیح معنوں میں اہل السنۃ والجماعۃ کے گروہ میں شریک نہیں ہے بلکہ اعتزال کی آلودگی اس میں پائی جاتی ہے کیونکہ عالم مثال کے انکار کے بعد ہزار بلکہ ہزار سے بھی زیادہ نصوص کی بعید ترین تاویلوں پر اس کو مجبور ہونا پڑے گا۔'' [عبقات: ۴۲۵]

حاصل کلام:

اس سلسلے میں جو بات قریب تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ: عالم مثال ان اصطلاحات میں سے ہے جن کے متعلق نصوص خاموش ہیں، لہٰذا شرعی ضروری چیز سمجھ کر اس کے ثابت کرنے پر اصرار کرنا بھی درست نہیں ہے اور اگر کوئی مستند اہل علم اس کو نصوص کا محمل سمجھتا ہے اور اپنے ذوق کے مطابق اس کو موجود مانتا ہے تو بلا وجہ اس کے انکار کرنے پر بھی اصرار نہ کیا جائے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید صاحب رحمہ اللہ نے اس کے انکار کرنے کو اہل سنت کے خلاف قرار دیا ہے، لیکن اُصولی لحاظ سے یہ بات بھی بے جا معلوم ہوتی ہے، کیونکہ خود اس عالم کا انکار کسی نص کے انکار کو

مستلزم نہیں ہے، اس سلسلے میں جو نصوص پیش کی جاتی ہیں، ان کو ماننے اور تسلیم کرنے کے لیے عالمِ مثال کا قائل ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ متقدمین اہل علم ان نصوص کو تسلیم بھی کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان سے عالم مثال کے متعلق کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔

(۴)- چوتھا اِشکال: اصول فقہ کو ایجادِ متأخرین ماننا:

احناف کے اصول فقہ اور حضرت شاہ صاحب

علامہ کوثری رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب کا یہ بھی ایک اہم تفرد ذکر فرمایا ہے کہ وہ حنفی اُصول فقہ کو ایجادِ متاخرین سمجھتے ہیں، علامہ کے الفاظ یہ ہیں:

ومنها: تحكمه في أصول المذهب، وتقوُّله أنها صنعُ يد المتأخرين، وذكرُه الزيادةَ على النص بخبر الآحاد في هذا الصف، مع ذكره مناظرةَ الشافعيِّ محمدًا في ذالک، مناقضًا نفسه، وناقضًا لما أبرمه قبل لحظة. [حسن التّقاضی:۲۵۰]

ترجمہ: ''اُصول فقہ کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ متاخرین کی ایجاد ہے یہ بھی حضرت شاہ صاحب کے تفردات میں سے ہے، نیز خبر واحد کے ذریعے نصوص پر زیادتی اور اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا امام محمد رحمہ اللہ کے ساتھ مناظرہ کا ذکر کرنا بھی ان کا اپنی بات کی از خود تردید کرنے کے مترادف ہے۔

اِشکال کا تجزیہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے متعدد کتابوں میں اس مسئلہ سے تعرض کیا ہے اور ایک سے زیادہ بار اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔ ''حجۃ اللہ'' میں وہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

ومنها أني وجدت بعضهم يزعم أن بناء الخلاف بين أبي حنيفة والشافعي رحمهما الله على هذه الأصول المذكورة في كتاب البزدوي ونحوه، وإنما الحق أن أكثرها أصول مخرجة على قولهم: وعندي أن المسألة القائلة بأن الخاص مبين، ولايلحقه بيان، وأن الزيادة نسخ، وأن العام قطعي كالخاص، وأن لا ترجيح بكثرة الرواية، وأنه لا يجب العمل بحديث غير الفقيه إذا انسد باب الرأى، وأن لا عبرة بمفهوم الشرط والوصف أصلا وأن موجب الأمر هو الوجوب ألبتة: وأمثال ذلک أصول مخرجة على كلام الأئمة، وأنه لا تصح بها رواية عن أبي حنيفة وصاحبيه، وأنه ليست المحافظة عليها والتكلف في جواب ما يرد عليه من صنائع المتقدمين في استنباطاتهم كما يفعله البزدوي وغيره أحق من المحافظة على خلافها والجواب عما

یرد علیه.[حجة الله البالغة، المبحث السابع مبحث استنباط الشرائع من حديث النبی:۱/۲۷۱]

ترجمہ:''مجھے بعض حضرات کی رائے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف دراصل ان اصول پر مبنی ہے جو اُصول' بزدوی رحمہ اللہ کی کتاب میں ہیں۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ اکثر باتیں ان میں سے اضافات ہیں۔ نیز میرے نزدیک خاص کا واضح اور نا قابل بیان ہونا، اور اس پر زیادت کا نسخ ہونا، عام کا خاص کی طرح قطعی ہونا، کثرت روایات کا غیر مؤثر ہونا، غیر فقیہ صحابی کے قول کا حجت نہ ہونا، مفہوم شرط، وصف کا غیر معتبر ہونا، اور امر کا ہر جگہ وجوب کے لیے آنا، یہ سب باتیں متقدمین کے کلام پر اپنی طرف سے اضافہ ہے اور اس کی نسبت حضرت امام صاحب اور صاحبین کی طرف کرنا درست نہیں، اسے یاد کرنا اس پر وارد اشکالات کا جواب دینا متقدمین کا اجتہاد و استنباط میں یہ طرزِ عمل نہیں تھا۔''

اس عبارت میں یہاں تک بات تو درست ہے کہ یہ اُصول باضابطہ طور پر حضرت امام صاحب یا حضرات صاحبین رحمہم اللہ سے منقول نہیں ہیں، ان اصطلاحات اور ترتیبات میں کسی کو تردد ہونا ممکن ہے، تاہم عبارت کے آخر سے جو بات معلوم ہوتی ہے کہ:''ائمہ احناف کے ہاں اس نوعیت کے اُصول پیش نظر نہ تھے، یا ان کے ہاں جو اُصول پیش نظر تھے وہ اس سے مختلف ہیں، مثال کے طور پر ان کے ہاں یہ اصول مدنظر تھا کہ خاص محتاج بیان ہوتا ہے اور عام قطعی نہیں ہوتا وغیرہ'' یہ بات بالکل درست نہیں ہے۔

حاصل اشکال:

اس میں حقیقت پر مبنی بات وہی ہے جس پر تمام فقہائے احناف قائل و عامل رہے ہیں کہ:

الف: ائمہ احناف کے ہاں کچھ اُصول ضرور پیش نظر تھے جن کی بنیاد پر وہ قرآن وحدیث سے شرعی احکام ومسائل کا استنباط فرماتے تھے۔

ب: وہ اُصول وضوابط گو اُن سے ترتیب کے ساتھ منقول نہیں ہیں، تاہم امام جصاص، سرخسی اور بزدوی وغیرہ حضرات نے جو اُصول متفقہ طور پر ذکر کیے ہیں، یہ ائمہ احناف ہی کے اصول تھے۔

اس لیے اس حوالہ سے علامہ کوثری رحمہ اللہ کی بات حق بجانب ہے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ موقف درست نہیں ہے۔ تاہم یاد رہے کہ اس کی حیثیت ایک علمی و تاریخی نوعیت کے تسامح کی ہے، لہٰذا محض اس بنیاد پر طعن و تشنیع کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

کوئی یہ اشکال نہ کرے کہ علامہ کوثری رحمہ اللہ تو طعن نہیں فرما رہے تو پھر اس بات کو ذکر کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ بات ان جیسے فضلاء روزگار کی نہیں ہے اور نہ ان سے یہ خطرہ ہے کہ موقع

بے موقع طعن وتنقید کا بازار گرم کریں گے، البتہ آج کا ہر ناظر کل کا ناقد بن سکتا ہے، اس لیے اُصولی بات سامنے رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۵)-پانچواں تفرد: قدم عالم کا قائل ہونا

علامہ کوثری رحمہ اللہ نے پانچواں بنیادی تفرد یہ ذکر فرمایا ہے کہ: حضرت شاہ صاحب عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

ومنها: اختياره لقدم العالَم، كما حكاه المحقق الكشميريُّ عن بعض رسائله، في بدء الخلق من "فيض الباری"، وهذا داهيةُ الدواهي، والأغربُ من هذا استدلاله علی ذالک بحديث أبي رزين في العماء عند الترمذيّ. [حسن التّقاضی:۲۵۱]

ترجمہ: ''ان تفردات میں سے ایک تفرد عالم کو قدیم سمجھنا بھی ہے، جیسا کہ علامہ کشمیری نے ان کے بعض رسائل سے اپنی امالی ''فیض الباری'' میں نقل کیا ہے، یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہے اور اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ اس بارے میں انہوں نے حدیث ابی رزین جو ترمذی میں ہے، اس سے استدلال کیا ہے۔''

اِشکال کا تجزیہ

علامہ کوثری رحمہ اللہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی متعدد کتابوں سے پوری طرح واقف نہیں تھے کیونکہ آپ کی بیشتر کتابیں اُردو وفارسی میں ہیں اور اُس وقت ہندوستان سے باہر کچھ زیادہ معروف نہ تھیں۔ آپ کی عربی کتابوں میں قدم عالم کا موقف مذکور نہیں ہے، اس لیے زیادہ قرینِ قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے یہ بات ''فیض الباری'' ہی سے لی ہے، جہاں حضرت کی طرف اِس بات کی نسبت کی گئی ہے، چنانچہ ''حسن التقاضی'' کی درج بالا عبارت میں اس کی صراحت بھی ہے۔

''فیض الباری'' کی عبارت یہ ہے:

واختار الشاه ولی الله في بعض رسائله قدم العالم، وتمسک بما عند الترمذی إنه صلی الله عليه وسلم سئل: "أين كان ربنا قبل أن يخلق خلقه؟ قال: كان في عماء، ما فوقه هواء، وما تحته هواء." [فیض الباری علی صحیح البخاری:۲۹۹/۴] ترجمہ: ''شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے بعض رسائل میں قدم عالم کی رائے اختیار کی ہے اور اس پر حدیث ترمذی سے استدلال کیا ہے۔''

یہاں علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ان رسائل کی تعیین وتفصیل نہیں فرمائی جہاں حضرت شاہ صاحب نے عالم کے قدیم ہونے کو ترجیح دی ہے اور ہمیں بھی حضرت کی کتابیں بار بار دیکھنے کے باوجود ایسی کوئی

مستقل مبحث نہیں مل سکی جہاں حضرت نے صراحت کے ساتھ یہ موقف اپنایا ہو۔ تاہم ''تفہیمات الٰہیہ'' نامی کتاب میں ایک آدھ جگہ ایسی عبارتیں مذکور ہیں، مثال کے طور پر تفہیم نمبر ۶۷ رمیں ہے:

''عماء کے قدیم ہونے پر'' اللہ کے سوا تمام عالم کے حدوث پر ملتوں کے اتفاق سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ انّیہ اولیٰ عماء میں تجلی کرتی ہے، اس وقت اس تجلی سے احکام ظاہر ہوتے ہیں جن کو احکام الوجوب کہا جاتا ہے، چنانچہ ملتوں کا کہنا ہے کہ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ کے ناموں اور اس کی صفات سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ نہ تمام وجوہ سے عین ذات ہے اور نہ ہی تمام وجوہ سے غیر ذات ہے اور یہ زمانے کے لحاظ سے قدیم ہے اور اس لحاظ سے بالذات حادث ہے کہ یہ ذات الٰہیہ کے ساتھ موجود ہے۔'' [تفہیمات، تفہیم نمبر سرسٹھ (۶۷)، مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ صاحب: ۲۲۰/۷]

لیکن یاد رہے کہ قدم عالم کا قائل ہونا کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کو صرف ''تفردات'' کی فہرست میں شامل کرنے پر اکتفاء کرنا کافی ہے۔ بلکہ یہ تو ان مذموم عقائد وتصورات میں سے ایک ہے جو بالاتفاق ''کفر'' ہیں۔ جن تین مردود عقائد کی وجہ سے امام غزالی رحمہ اللہ نے ''تہافت الفلاسفہ'' میں فلاسفہ کی تکفیر فرمائی تھی، ان میں سے ایک بنیادی مسئلہ یہی تھا کہ وہ عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ علم کلام اور فقہ سب کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ''شرح مقاصد'' میں ہے:

فلا نزاع فی كفر أهل القبلة المواظب طول العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفي الحشر ونفي العلم بالجزئيات ونحو ذلك وكذا بصدور شيء من موجبات الكفر عنه. [شرح المقاصد فی علم الکلام بحث سابع فی حکم مخالف الحق من اہل القبلۃ: ۲۶۹/۲]

ترجمہ: ''جو لوگ عالم کو قدیم جانتے ہیں یا حشر کے منکر ہیں یا اللہ تعالیٰ کے جزئیات پر علم کی نفی کرتے ہیں یا اور کسی موجب کفر کا ارتکاب کریں تو وہ ساری عمر طاعات میں گزارنے کے باوجود بالاتفاق کافر ہیں۔''

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ومنها: القول الذي هو كفر سواء صدر عن اعتقاد أو عناد أو استهزاء، فمن ذلك اعتقاد قدم العالم أو حدوث الصانع أو نفي ما هو ثابت للقديم بالإجماع المعلوم من الدين بالضرورة. [الإعلام بقواطع الإسلام:۷۹]

ترجمہ: ''اگر کسی سے اعتقاد (قصداً اور اپنے اختیار سے) یا ضد یا مذاق کے طور پر بھی عالم کے قدیم ہونے، یا خدا تعالیٰ کے حادث ہونے، یا خدا تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی نفی ثابت ہو جائے جو سب

کے نزدیک دین کی بنیادی باتوں میں سے ہو، تو ایسا عقیدہ کفر ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ عالم کو قدیم ماننا کفر ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی طرف قدم عالم کی نسبت

ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف قدم عالم کی نسبت بالکل درست نہیں ہے، جس کے کچھ قرائن درج ذیل ہیں:

۱: حجۃ اللہ کا پہلا باب ''**باب الخلق والابداع والتدبیر**'' ہی اس کی تردید کے لیے کافی ہے، وہاں حضرت کا ذاتی حاشیہ بھی ہے۔ وہاں ''**بغیر مادۃ**'' کا لفظ بھی ہے جس سے قدیم ماننے کی بنیاد مضمحل ہو جاتی ہے۔

۲: حضرت کی مشہور کتابوں میں اس کا نام ونشان نہیں ہے۔

۳: حضرت کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے بھی ان بعض رسائل کی نشاندہی نہیں فرمائی۔

۴: اور بھی متعدد جگہوں میں مسئلہ کے مظان میں اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

۵: حضرت کی تصنیفات میں اس کے خلاف کافی مواد موجود ہے۔ حسن العقیدہ میں ہے: ''**ھو خالق لجمیع المخلوقات**'' [حسن العقیدہ مع اردو ترجمہ: ۱۱]

۶: موافقین نے کہیں اِس اِشکال کے جواب کی زحمت نہیں فرمائی اور مخالفین نے بھی اس کو اعتراض کے طور پر کبھی پیش نہیں فرمایا۔

(۶)- چھٹا اِشکال وتفرد: تقلید کو نقصان پہنچانا

ایک اشکال یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے ہندوستان میں تقلید اور خاص کر فقہ حنفی کو نقصان پہنچا۔ علامہ کوثری رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

فعاد إلى الهند منحرفا عن مشرب أهل بيته ومذهب أسرته في التصوّف والفقه والاعتقاد.... فافترقت الكلمة هناك باندفاعه في دعوته إلى آرائه في المذهب الفقهي... ترجمہ: ''حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ جب حرمین کے سفر سے واپس ہندوستان آئے تو وہ تصوف، فقہ، اور عقائد میں اپنے خاندانی مسلک ومشرب سے نکل چکے تھے، چنانچہ اپنی فقہی آراء کی طرف دعوت دینے میں ہمہ تن مصروف ہونے سے ان کی باتیں خلط ملط کا شکار ہو گئیں۔

اِشکال کا تجزیہ

حضرت شاہ صاحب کے زمانے میں ہندوستان کے لوگوں کی تقلید کے باب میں حد درجہ غلو تھا یا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا علمی وطبعی مزاج ومذاق کا تقاضا تھا، لیکن بہرحال علامہ کوثری رحمہ اللہ کی یہ بات ایک حد تک حق بجانب ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک زمانہ تک ضروری نہیں سمجھتے تھے، آپ اور آپ کے والد صاحب بھی بعض اعمال میں شوافع کے قول پر عمل کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ ''انفاس العارفین'' میں ہے کہ آپ کے والد ماجد شیخ عبد الرحیم صاحب امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرتے تھے، اس حوالہ سے فقہائے احناف کی طرف سے جو قیاس پیش کیا جاتا ہے، اس کی تردید فرماتے تھے اور خود آپ نے بھی والد ماجد کے اقدام کی تائید فرمائی ہے۔

بہرحال خواہ کوئی بھی وجہ تھی لیکن ایک زمانہ تک آپ تقلید شخصی کو ضروری خیال نہیں فرماتے تھے اور عملی طور پر بھی اس کی پابندی نہ فرماتے تھے، لیکن بعد میں مختلف اسباب کی بناء پر اس خیال سے رجوع فرمالیا تھا اور اس کے بعد تقلید کے متعلق ان کا وہی موقف رہا تھا جو جمہور علماء احناف کا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس حوالہ سے آپ نے بعض مفید علمی تحقیقات بھی سپردِ قلم فرمائیں جن کی وجہ سے بہت سے حلقوں کے لیے اس مسئلہ کو سمجھنا اور باور کرنا آسان ہوا۔ اس حوالہ سے آپ کی کتابوں ''حجۃ اللہ''، ''عقد الجید'' اور ''الانصاف'' میں بعض بہت کام کی باتیں پائی جاتی ہیں۔

جن مختلف اسباب وعناصر کی بنیاد پر تقلید واجتہاد کے موضوع پر آپ کے موقف میں تبدیلی آئی ہے، ان میں سے آپ کے بعض وہ مکاشفات بھی ہیں جو اس حوالہ سے آپ کو پیش آئے۔ مثال کے طور پر ''فیوض الحرمین'' میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

عرّفنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم أنّ فی المذہب الحنفی طریقۃ أنیقۃ ھی أوفق الطّرق بالسنّۃ المعروفۃ التّی جُمعت ونقّحتُ فی زمان البخاریّ وأصحابہ. [فیوض الحرمین: ۴۸] ترجمہ: ''حضور ﷺ نے مجھ کو سمجھایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا بہتر راستہ موجود ہے جو تمام طرق میں سب سے زیادہ ان احادیث کے موافق ہے جن کی جمع وتدوین امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانے میں ہوئی تھی۔''[1]

والله تعالیٰ اعلم۔ ناکارہ عبید الرحمٰن، ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۴۴ھ ☆☆

---

[1] یہاں اِس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض مترجمین حضرات نے نجانے اس عبارت کا ترجمہ کیوں اس ڈھنگ سے کیا جس کی بدولت عبارت کا اصل مقصود ہی واضح نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس مفہوم مترشح ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے فقہ حنفی سے بلاوجہ ایک قسم کا ذہنی یا عملی بعد پیدا ہوجاتا ہے۔

مولانا خیرالامین قاسمی، مردان

''اَشاعرہ'' و ''ماتریدیہ'' ہی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں!

عقائد کی تشریحات میں جمہوراہل سنت کے پیشوا:

جس طرح فروعی اجتہادی مسائل میں چار ائمہ کرام بڑے اور جمہور اُمت کے مقتدا ہیں۔ اِسی طرح اُصولی مسائل (عقائد) کی تشریحات وتوضیحات میں دو ائمہ کرام بڑے اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے پیشوا ہیں: [۱]-امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ [۲]-امام الہدیٰ امام ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ۔

امام ابوالحسن الاشعریؒ کے متبعین کو ''اشعری'' اور امام ابومنصور ماتریدیؒ کے متبعین کو ''ماتریدی'' کہا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھار لفظ ''اشاعرہ'' بول کر دونوں مکتبِ فکر بھی مراد لیے جاتے ہیں۔ اس پر مجلّہ ''صفدر'' کے گزشتہ شماروں میں کتبِ کلامیہ سے حوالے پیش کیے جاچکے ہیں۔

''سلفی'' کی قدیم اصطلاح اور موجودہ سلفی حضرات:

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متبعین جو فروعی اجتہادی مسائل کی طرح عقائد واَفکار کی تشریحات وتوضیحات میں بھی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہی مقلد تھے، اُنھیں فروعی احکام میں ''حنابلہ'' اور اُصولی مسائل میں ''سلفی'' کہا جاتا تھا۔ لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بعد اُس وقت کے ''سلفی'' حضرات کئی عقائد میں رفتہ رفتہ اہل السنۃ والجماعۃ سے ہٹتے چلے گئے۔ چنانچہ شارح ترمذی، محدث دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ [سابق شیخ الحدیث: دارالعلوم دیوبند] فرماتے ہیں کہ: ''آج کے جو سلفی ہیں وہ اہل حق نہیں، وہ امام احمدؒ کے بعد غلو میں مبتلا ہوگئے ہیں۔'' [علمی خطبات: ۱۲۷]

مزید ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''عقائد میں (اہل حق کے) تین فرقے ہیں: اشاعرہ، ماتریدیہ اور امام احمد تک کے سلفی۔ آج کے یہ سلفی نہیں! یہ تو امام احمدؒ کے بعد غلو کرنے والے سلفی ہیں۔'' [ایضا: ۱۲۹]

تینوں ائمہ عقائد تقریباً ہم عصر ہیں:

امام ابومنصور ماتریدیؒ، امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام احمدؒ تینوں تقریباً ایک ہی زمانے کے لوگ ہیں۔ کیونکہ امام احمدؒ کا انتقال ۲۴۱ھ میں، امام اشعریؒ کا ۳۰۳ھ میں اور امام ماتریدیؒ کا ۳۳۳ھ میں ہوا۔ اور تینوں ائمہ عقائد نے نظریاتی طور پر معتزلہ کو خوب شکست سے دوچار کیا۔ عقائد واَفکار کی تشریحات میں جو مسلک امام احمدؒ سے چلا، اس کا نام ''سلفیت'' ہے، لیکن بعد میں بعض حنابلہ نے اس میں غلو کرلیا۔ جس کا اعتراف

خود حنابلہ کو بھی ہے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کے مشہور عالم امام ابوالفرج ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں کہ:

” ورأيت من اصحابنا من تكلم فى الاصول بمالايصلح وانتدب للتصنيف ثلاثة: ابوعبدالله بن حامد وصاحبه القاضى وابن الزاغونى فصنفوا كتبا شانوا بها المذاهب ورايتهم قد نزلوا الى مرتبة العوام.

فحملوا الصفات على مقتضى الحس فسمعوا ان الله تعالى خلق آدم على صورته فاثبتوا له صورة ووجها زائدا على الذات، وعينين وفما ولهوات واضراسا واضواء لوجهه هى السبحات ويدين واصابع وكفا وخنصرا وصدرا وساقين ورجلين. وقالوا ماسمعنا بذكر الرأس وقالوا يجوز ان يمس ويمس ويدنى العبد من ذاته. وقالوا بعضهم ويتنفس.

ثم يرضون العوام بقولهم: لا كما يعقل. وقد اخذوا بالظاهر فى الاسماء والصفات ، فسموها بالصفات تسمية مبتدعة لادليل لهم فى ذالک من النقل ولامن العقل. ولم يلتفتوا الى النصوص الصارفة عن الظواهر الى المعانى الواجبة لله تعالى ولا الى الغاء مايوجبه الظاهر من سمات الحدوث ، ولم يقنعوا بان يقولوا صفة فعل. حتى قالوا صفة ذات.

ثم لما اثبتوا انها صفات ذات، قالوا : لانحملهاعلى توجيه اللغة مثل يدعلى نعمة وقدرة ومجيى واتيان على معنى بر ولطف،وساق على شدة بل قالوا :

نحملهاعلى ظواهر المتعارفة والظاهر المتعارف هو المعهود من نعوت الآدميين، والشيى انما يحمل على حقيقة اذا امكن .ثم يتحرجون من التشبيه ويانفون من اضافته اليهم ويقولون :نحن اهل السنة وكلامهم صريح فى التشبيه وقدتبعهم خلق من العوام.

فقدنصحت التابع والمتبوع فقلت لهم :يااصحابنا انتم اصحاب نقل وامامكم الاكبر احمدبن حنبل يقول وهو تحت السياط : كيف اقول مالم يقل؟فاياكم ان تبدعوا فى مذهبه ماليس منه.“ [دفع شبه التشبيه باكف التنزيه:۹۷تا۱۰۱]

امام ابن جوزیؒ کی یہ طویل عبارت اس لیے نقل کی ہے کہ: امام ابن جوزیؒ خود حنبلی المسلک ، گھر کے بھیدی اور ”**صاحب البيت ادرى بمافيه**“ کے مصداق ہیں جو اِس بات کا اعتراف واقرار کر رہے ہیں کہ: امام احمدؒ کے بعد سلفی اصلی سلفی نہیں رہے، بلکہ مسئلہ صفات باری تعالیٰ وغیرہ میں غلو میں مبتلاء ہوگئے۔ قارئین کے فائدہ کے لئے عبارت کا مفہوم درج کیا جاتا ہے:

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ: ہمارے مذہب میں بعض حضرات نے اُصولی مسائل میں بحث شروع کردی، جو اُن کے لئے قطعاً مناسب نہیں تھی۔ اور تین بندوں نے ان مسائل میں تصنیف کے لیے کمر کس لی۔ ابوعبداللہ بن حامد اور ان کے دوست اور ابن زاغونی۔ انہوں نے ایسی کتابیں تصنیف کی جنہوں نے

مذہب کی شکل بگاڑ دی۔اوران کتب میں (علمی اور تحقیقی انداز کے بجائے) عامیانہ انداز اختیار کیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے صفات باری تعالی کو حسی تقاضے پر محمول کیا۔(یعنی انہوں نے قیاس سے کام لیتے ہوئے اپنے معبود کو اپنے خیال میں ایک انسان کی صورت میں فرض کیا ہے۔[ناقل]) مثلاً جب انہوں نے یہ حدیث پاک سنی کہ: **ان الله خلق آدم على صورته.** تو اللہ تعالی کے لیے ذات پر اضافہ کرتے ہوئے صورت اور چہرہ ثابت کیا،اسی طرح اللہ تعالی کے لیے آنکھیں، منہ، داڑھی، چہرے کے لئے روشنی، دو ہاتھ، ہتھیلی، انگلیاں، چھنگلیا، سینہ، ران اور دو پنڈلیاں اور دو پاؤں ثابت کیے۔البتہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالی کے لیے سر کے ثبوت کے لیے ہم نے کوئی نص نہیں سنی۔اور بعض نے یہ کہا کہ اللہ تعالی کو مس کیا (چھوا) جاتا ہے اور خود اللہ تعالی بھی لمس کرتے ہیں۔اور بعض نے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالی سانس بھی لیتے ہیں۔

لیکن پھر عوام کو مطمئن کرنے کے لیے (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ یہ تمام صفات عقل سے ماوراء ہیں۔ (بالفاظ دیگر کیفیت مجہول ہے جیسا کہ عصر حاضر کے مجسمہ یعنی غیر مقلدین کہتے ہیں۔[راقم]) یہ بات تحقیقی ہے کہ انہوں نے اسماء اور صفات کو ظاہری معنی میں لیا ہے،اوران صفات کے لیے ایک بدعتی نام بھی رکھا جس پر ان کے پاس نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی۔اور انہوں نے ان نصوص کو نہیں دیکھا جو ان صفات کو ظاہری معنی سے ہٹاتی ہیں اور اللہ تعالی کے لئے ایک ایسا معنی ثابت کرتی ہیں جو ان کی شان کے لائق ہے اور ظاہری معنی جو حدوث کی علامت ہے اس کو لغو کرتی ہیں۔

اسی طرح انہوں نے اس پر بھی اکتفاء نہیں کیا کہ ان صفات کو صفاتِ فعلیہ کہہ دیتے، بلکہ انہوں نے ان کا نام ''صفات الذات'' رکھا۔اسی طرح انہوں نے ید سے قدرت ونعمت اور مجی واتیان سے رحمت اور ساق سے شدت کا معنی لینا بھی روا نہیں سمجھا بلکہ ان کا ظاہری عرفی معنی لے لیا،جبکہ حال یہ ہے کہ ظاہری عرفی معنی تو معہود ہے جو انسان کے لیے ہے۔اور چیز کو حقیقت پر تب محمول کیا جاتا ہے جب حقیقت پر محمول کرنا ممکن ہو۔ (لیکن انھوں نے اس کا خیال نہیں رکھا۔) حتی کہ تشبیہ کے گناہ میں واقع ہوئے اور اس کے باوجود کہتے تھے کہ ہم اہل سنت ہیں۔حالانکہ ان کا مذہب صریح ''تشبیہ'' پر دلالت کرتا ہے اور بہت سے لوگوں نے اس مذہب میں ان کی اتباع کی۔ پھر میں نے تابع اور متبوع دونوں کو نصیحت کی کہ: اے میرے دوست واحباب! آپ تو اصحاب نقل ہیں اور آپ کے بڑے امام، امام احمد بن حنبلؒ نے کوڑوں کے نیچے یہ کہا تھا کہ: ''**كيف اقول مالم يقل**'' کہ جو بات منقول نہیں میں کس طرح وہ کہوں؟ پس آپ کے لیے ضروری ہے کہ جو چیز امام احمدؒ کے مذہب میں نہیں آپ اُسے اِس میں مت داخل کریں۔[انتھی الترجمہ]

پھر تھوڑا سا آگے جا کر لکھتے ہیں کہ: ''**فلا تدخلوا فی مذهب هذا الرجل الصالح**

السلفی مالیس منہ ولقد کسیتم ھذاالمذھب شیناقبیحا حتی صار لایقال حنبلی الامجسم. [مرجع سابق ۱۰۲] یعنی آپ لوگ اس پہلے بزرگ شخص کے مذہب میں وہ چیز داخل نہ کریں جو پہلے سے اس میں نہ ہو۔لیکن آپ لوگوں نے اس مذہب کوایسا قبیح لباس پہنایا ہے یہاں تک کہ جو بھی حنبلی کہلائے گا تو وہ مجسم (باری تعالیٰ کے لیے جسم کا قائل) ہوگا۔

بہرحال ابن جوزیؒ کی اس طویل عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ امام احمدؒ کے بعد سلفی مذہب میں مسئلہ صفات باری تعالیٰ میں غلو کیا گیا ہے،اور یہ لوگ تجسیم کی طرف چلے گئے ہیں۔

یہی بات امام عبدالوہاب السبکیؒ نے بھی اپنی کتاب میں ذکر کی ہے،لکھتے ہیں کہ:

”وھولآء الحنفیة والشافعیة والمالکیة وفضلاء الحنابلة ولله الحمد فی العقائد ید واحد کلھم علی رأی اھل السنة والجماعة، یدینون الله تعالی بطریق الشیخ السنة ابی الحسن الاشعریؒ لایحید عنھا الارعاع من الحنابلة لحقوا باھل التجسیم.“

[معیدالنعم و مبیدالنقم:۶۲،بحوالہ حاشیہ:۱۷/دفع شبہ التشبیہ:۱۰۲/دارالامام النوویؒ]

جس کا حاصل یہی ہے کہ حنفیہ شافعیہ مالکیہ اورحنابلہ کی ایک جماعت اہل سنت کے طریق پر ہے جوامام ابوالحسن الاشعریؒ کا طریق ہے،البتہ حنابلہ کی ایک جماعت مجسمہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

اُصولی مسائل کی تشریحات میں اہل سنت کے تین گروہ:

بہرحال مندرجہ بالاحوالوں سے یہ ثابت ہوا کہ: اُصولی مسائل میں اہل السنۃ والجماعۃ کی تین جماعتیں ہیں:اشاعرہ،ماتریدیہ اورامام احمدؒ تک کے سلفی حضرات۔البتہ امام صاحبؒ کے بعد کے سلفی ”مجسمہ“ ہیں۔ہمارے سنی دیوبندی مدارس میں تینوں مکاتب فکر کی کتابیں شامل نصاب ہیں۔”عقیدۃ الطحاویہ“ سلف کے نظریات کی ترجمانی کرتی ہے،”شرح العقائد“ بھی پڑھائی جاتی ہے،اس کا متن ”العقائدالنسفیہ“ عمرنسفیؒ کا ہے جوکٹر ماتریدی ہیں۔اوراس کے شارح یعنی ”شرح عقائد“ کے مصنف علامہ سعدالدین تفتازانیؒ شافعی ہیں جواُصولی مسائل میں اَشعری ہیں۔

غیرمقلدین سے اُصولی (عقائدکا) اختلاف بھی ہے:

خیر یہ تو درمیان میں فائدہ کی ایک بات آگئی ورنہ اصل بات یہ چل رہی تھی کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ہمارے فضلاء اس بات کوضرور پلے باندھ لیں،کیونکہ آج کے سلفی [غیرمقلدین] بانگ دھل اشاعرہ وماتریدیہ کوبدعتی اورگمراہ قرار دیتے ہیں۔اس کے باوجود ہمارے سادہ لوح بھائی کہتے ہیں کہ: ان کے ساتھ رفع یدین،قراءت خلف الامام،آمین بالجہر اورجنازہ بالجہر وغیرہ میں فقط فروعی

اختلافات ہیں۔ حالانکہ ان کے ساتھ فروعی مسائل کے علاوہ ہمارا اُصولی مسائل میں بھی اختلاف ہے۔ جب ہم اشعریت پسند ماتریدی ہیں اور یہ حضرات اشاعرہ وماتریدیہ دونوں کواُن کے عقائد کی وجہ سے گمراہ اورفرقہ جہمیہ کا پیروکار کہتے ہیں۔ گویا عقائد میں اختلاف رکھتے ہیں توان کے ساتھ بھی اختلاف اُصولی ہوا۔

ذیل میں اِن لامذہبوں (غیر مقلدوں) کے حوالے ملاحظہ فرمائیں جس میں انھوں نے حضرات اشاعرہ اور ماتریدیہ دونوں کو گمراہ کہا ہے۔

۱)-عبدالحمید رحمتی غیر مقلد نے زبیر علی زئی کے خصوصی نمبر میں عربی میں ایک مضمون لکھا ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ:"**وسألته يوما عن اسناده في الحديث وذكرت له ان كل اسنادللحديث لابد وان يمر على المبتدعة من الماتريديه والآشاعرة فقال هناك اسناد ذكره الشيخ بديع في منجده خال عن المبتدعة**" [ماہنامہ الحدیث خصوصی نمبر زبیر علی زئی: ۳۳۹] میں نے زبیر علی زئی سے ایک دن اس کے ایک ایسی سند کے بارے میں پوچھا جو اشاعرہ اور ماتریدیہ مبتدعہ سے خالی ہو، ساتھ میں نے ان کو یہ بھی کہا کہ ایسی کوئی سند حدیث نہیں جو ان کے سند سے خالی ہو۔ تو زبیر علی زئی نے کہا کہ ایک سند موجود ہے جس کو پیر بدیع الدین راشدی نے ذکر کیا ہے جو ان بدعتیوں کے ذکر سے پاک ہے۔

جیسا پیر ویسا مرید کے مصداق مادح اور ممدوح نے دونوں نے بیک جنبش اشاعرہ اور ماتریدیہ کو بدعتی کہہ دیا۔

۲)-کتاب التوحید کی شرح لکھنے والے شیخ عبدالرحمٰن اپنی شرح میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:"**وقد صنف العلماءؒ في الرد على الجهمية والمعطلة والمعتزلة والاشاعرة وغيرهم في ابطال هذه البدع.**" [فتح المجید: ۳۵۲ردارالسلام ریاض] یعنی معطلہ، معتزلہ اور اشاعرہ کی ان بدعات کے خلاف علماء نے کتابیں لکھی ہیں۔

اس عبارت میں غالی غیر مقلد نے دیگر بدعتی فرقوں میں حضرات اشاعرہ کو بھی ذکر کردیا۔

۳)-امین اللہ پشاوری مشہور غیر مقلد نے ''**شرح العقائد**'' پر عربی زبان میں ایک حاشیہ ''**تصحیح العقائد**'' کے نام سے لکھا ہے جو کل ۱۳۲ رصفحات پر مشتمل ہے اور پورا حاشیہ ''شرح عقائد'' کی تردید میں ہے۔ اس میں جلی عنوان قائم کرتے ہیں کہ:'' **الماتريديه والاشعريه ليسوا من اهل السنة المحضة**'' [تصحیح العقائد: ۱۸رمعراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور] ماتریدیہ اور اشاعرہ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے نہیں ہیں۔

۴)-شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ لکھتے ہیں کہ:''**فغلط من غلط في معنى اهل السنة**

والجماعة، فادخل فی اهل السنة والجماعة الفرق الضالة کالاشاعرة والماتریدیة."
[شرح العقیدة الواسطیہ لصالح آل شیخ: ۲۵/۱] اہل السنۃ والجماعۃ کا معنی بیان کرنے میں غلطی ہوئی، چنانچہ اس میں بہت سے گمراہ فرقے بھی داخل کردیئے جیسا کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ۔

اس پر راقم نے غیر مقلدین کے کتابوں سے کئی حوالہ جات جمع کیے ہیں کہ وہ حضرات اشاعرہ اور ماتریدیہ کو گمراہ کہتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ بھی اشاعرہ کو گمراہ کہنے کی غلطی کر بیٹھے:

اور یہی حال علامہ ابن تیمیہ کا بھی ہے وہ بھی اشاعرہ کو گمراہ فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ کی علمیت' زہد وتقویٰ' مجاہدانہ کارنامے اپنی جگہ مسلم ہیں، لیکن جس طرح فروعی مسائل میں اُن کے تفردات ہیں ایسے ہی اُصولی مسائل میں بھی وہ اشاعرہ وماتریدیہ سے بہت اختلاف رکھتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اکابر اہل سنت دیوبند کی نظر میں!

اسی کی طرف امام اہل السنۃ والجماعۃ شیخ سرفراز خان صفدرؒ نے بھی ''سماع موتی'' میں اشارہ کیا ہے، مثلاً: ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ''علامہ ذہبیؒ نے حافظ ابن تیمیہ کو ایسے ہی موقع پر ایک طویل خط میں تنبیہ فرمائی کہ: اے کاش! صحیحین کی حدیثیں تم سے بچی رہتیں، تم تو ہر وقت تضعیف واہدار یا تاویل وانکار سے ان پر حملہ کرتے رہتے ہو، بلکہ علامہ ذہبیؒ نے ''زغل العلم'' اور اپنے رسالہ ''**النصیحة الذهبیه**'' میں ان کو خاصا کوسا ہے اور یہاں تک لکھا کہ عقلمندوں کی جماعت ان کو محقق' فاضل اور مبتدع قرار دیتی ہے۔[سماع موتی: ۱۳۷] کچھ آگے جا کر لکھتے ہیں کہ: ''حافظ ابن تیمیہؒ نے ''منہاج السنہ'' میں اللہ تعالی کے بارے میں ایسی تعبیر اختیار کی جس سے جسمیت کا شبہ ہوتا ہے۔'' [سماع موتی: ۱۳۷]

نوٹ: جس طرح حضرت امام اہل سنتؒ نے لکھا ہے کہ ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابن تیمیہؒ کی توہین اور تنقیص نہیں ہے۔ صرف یہ بتانا ہے کہ کئی مسائل میں وہ متفرد ہیں اور ان مسائل میں ان کے (متعصب) شاگردوں اور مخصوص متوسلین کے علاوہ اور کسی نے ان کی ہمنوائی نہیں کی۔ ہمارا مقصد بھی یہی ہے کہ فروعی مسائل کی طرح بعض اُصولی چیزوں میں بھی علامہ ابن تیمیہ کا موقف جمہور اہل سنت سے الگ ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ کی کتب کا مطالعہ کرنے والے اکابر نے اِس سے اُمت کو آگاہ بھی کیا ہے۔ جیسا کہ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ''حافظ ابن تیمیہؒ نے کہا کہ عرش قدیم ہے کیونکہ استواء بمعنی جلوس واستقرار ہے اس پر خدا کا۔ [ملفوظات محدث کشمیریؒ: ۱۷۷]

اور درس حدیث دیوبند کے زمانہ میں بھی حضرتؒ نے ابن تیمیہؒ کے استواء بمعنی استقرار وجلوس مراد لینے پر سخت نقد کیا تھا جو حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے نقل کیا ہے۔[ایضا:۱۷۷]

ایک جگہ میں فرماتے ہیں کہ: ''حافظ ابن تیمیہ بھی قیام حوادث حرف وصوت وغیرہ ذات باری تعالی کے ساتھ مانتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے بھی اپنے عقیدہ نونیہ میں کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب کہا۔'' [ملفوظات محدث کشمیری:۱۷۴]

اسی طرح مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتیؒ لکھتے ہیں کہ: ''ابن تیمیہؒ سے اُصول وفروع میں بہت سی غلطیاں ہوئی ، مگر علماء امت کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہر زمانے میں بڑے سے بڑے عالم کی لغزش سے امت کو آگاہ کیا تا کہ آنے والے لوگ ان کی غلطیوں سے آگاہ رہیں ، اور امت گمراہی سے محفوظ رہے۔[فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ:۳۷۳]

علامہ ابن تیمیہ' شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کی نظر میں !

اسی طرح شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا حسین احمد مدنی مکتوبات جلد چہارم میں تقریباً آٹھ مسائل میں تفرد ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''اس طرح کے دو چار نہیں بلکہ بیسوں مسائل ہیں جن میں ابن تیمیہؒ نہ تو کسی کے مقلد اور نہ تحقیقی طور پر مجتہد منتسب، باوجود صریح انحراف مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کے ابن تیمیہ مقبول امام اہل سنت، مجتہد اور شیخ الاسلام یاد کیے جاتے ہیں۔[مکتوبات شیخ الاسلام:۴/۳۷۸] خط کشیدہ عبارت پر نظر رکھیں کہ حضرت مدنیؒ کیا فرماتے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ: ''ابن تیمیہؒ وفور عقل اور حمیت مذہبی میں یقیناً اعتدال سے جگہ جگہ ہٹے نظر آرہے ہیں اور بعض جگہ ان سے ایسی لغزش اور غلطی ہوگئی ہے جس پر **لکل جواد کبوۃ ولکل عالم زلۃ** کا فقرہ کافی سے زیادہ صادق آتا ہے۔[ایضا:۳۷۰] اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ''ابن تیمیہ کی جو چیزیں خلاف جمہور اہل السنۃ والجماعۃ ہوں گی یعنی ان کے تفردات وہ یقیناً مردود ہیں، ہم ان کے مقلد نہیں ہیں، میں ان کی تکفیر نہیں کرتا۔[مکتوبات:۳/۹۵]

مکتوبات کے حاشیہ نگار لکھتے ہیں کہ ''ناچیز نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ گستاخ طالب علم بن کر اور یہ سمجھ کر کہ شاید ابن تیمیہ کی کتابوں اور ان کے رسائل کو ملاحظہ کرنے کا موقع نہ ملا ہو اور نہ ابن تیمیہؒ کے مؤیدین کی نصرت وحمایت نظر سے گزری ہو۔ ''کتاب الرد الوافر'' بھی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ فرمایا میں نے اس کو تو دیکھا نہیں تھا، دیکھوں گا، البتہ مدینہ منورہ کے قیام میں ان کی تصنیفات اور رسائل دیکھے ہیں اور بعض ایسی کتابیں بھی دیکھی ہے جو ہندوستان میں شاید ہی کسی کتب خانہ میں موجود ہوں جو خالص ابن تیمیہ کی افتاد طبع کی آئینہ دار تھی۔ ان سب سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حافظ ابن تیمیہؒ

کا تبحر مسلم، علم سے زیادہ ذہانت وذکاوت تسلیم۔ باوجود اس کے اشاعرہ اور محی الدین ابن عربیؒ شیخ اکبر جیسے عارف اور محقق کی تکفیر مسائل فقہی میں ائمہ اربعہ کے مسلک سے انحراف اور اہل سنت والجماعت کے طریقہ سے کھلا ہوا عدول اور تجاوز ان کے اندر موجود ہے۔ میں ان کا معتقد نہیں۔[حاشیہ مکتوب:۲/۷۱ مکتوبات شیخ الاسلام:۴/ ۳۶۸] حضرت مدنیؒ کی یہ تحریرات ان حضرات کے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ ہے جو علامہ ابن تیمیہؒ کے ہر قول وفعل کو اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ قرار دینے پہ تلے بیٹھے ہیں۔

بہرحال یہاں پر ابن تیمیہؒ کے اصولی مسائل پر بحث مقصود نہیں بس یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرات اشاعرہ ماتریدیہ کے ساتھ وہ بہت اختلاف رکھتے ہیں اور ہم چونکہ بقول قاری طیب صاحبؒ اشعریت پسند ماتریدی ہیں، اس لیے اُصولی مسائل میں ہم ابن تیمیہؒ کے بعض مسائل سے دُور ہیں۔ اور سلفی حضرات یعنی غیر مقلدین انہی مسائل میں ابن تیمیہؒ کے متبع ہیں۔ قبل اس سے کہ ابن تیمیہؒ کا حوالہ پیش کروں کہ اشاعرہ کا مسلک درست نہیں۔ ابن تیمیہؒ کے متعلق ایک قول فیصل ذکر کرتے ہیں۔ محدث دیارِ ہند عالم اسلام کے بے مثال محقق مولانا ابوبکر غازی پوریؒ لکھتے ہیں کہ: ”حافظ ابن تیمیہؒ کے بارہ میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں بعض تو وہ ہیں جو ان کو حق وباطل کا پیمانہ بنائے ہوئے ہیں اور غلو سے کام لیتے ہیں۔

جیسا کہ آج کل سلفیوں اور غیر مقلدوں کا طبقہ ہے۔ اس طبقہ کے نزدیک وہی سچا اور پکا مسلمان اور اہل سنت ہے جو ابن تیمیہ کے عقائد اور ان کی علمی تحقیقات کو صحیح قرار دے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو خود ابن تیمیہ کو اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی خارج قرار دیتا ہے اور ان کو مجسمہ اور حروریہ قرار دیتا ہے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ علم وکمالات میں بے نظیر تھے، کتاب وسنت کے بڑے عالم تھے۔ مگر جس طرح سے ہر عالم کی بات کو جوں کا توں قبول نہیں کیا جاتا، اسی طرح ابن تیمیہؒ کی باتوں کو بھی کتاب وسنت اور متقدمین اکابر کے عقائد واعمال کی میزان پر پرکھ کر قبول کیا جائے گا نہ تو ابن تیمیہؒ کی ہر بات قابل رد ہوتی ہے اور نہ ان کی ہر بات قابل قبول ہوتی ہے۔[تسکین الاتقیاء فی زیارۃ خاتم الانبیاء:۱۱۸، ۱۱۹]

اشاعرہ کے متعلق ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ: ”**والاشعری تبع فی ذالک للجھمیة والمعتزلة اللذین نفواقیام الفعل به تعالی لکن اولیئک ینفون الصفات ایضابخلاف الاشعریة**“ [منہاج السنۃ:۲/ ۳۹۰، بحوالہ صفات متشابہات اور سلفی عقائد:۴۲]

ابوالحسن اشعریؒ جہمیہ اور معتزلہ کے تابع ہیں جو اللہ تعالی کے ساتھ فعل کے قیام کی نفی کرتے ہیں، البتہ اشاعرہ کے برعکس جہمیہ وغیرہ اللہ تعالی کی صفات کی بھی نفی کرتے ہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ”**اما المتاخرون فانھم والوا المعتزلہ وقاربوھم**

اکثر و قدموھم علی اھل السنۃ والاثبات وخالفوا اولیھم‘‘[فتاوی کبری:۱۹۷، بحوالہ صفات متشابہات اور سلفی عقائد:۴۳] ترجمہ: متاخرین اشاعرہ نے معتزلہ سے تعلق بڑھایا اور ان کی فکر کے قریب ہوئے اور ان کو سلفیوں پر مقدم کیا اور اپنے متقدمین کے خلاف روش اختیار کی۔

ایک جگہ مزید اشاعرہ کو کوستے ہیں کہ:’’ **فعلم ان ھولآء [یعنی متاخری الاشاعرہ] حقیقۃ باطنھم باطن المعتزلۃ والجھمیۃ المعطلۃ وان کان ظاھرھم ظاھر اھل الاثبات کما ان المعتزلۃ عند التحقیق حقیقۃ امرھم امر الملاحدۃ نفاۃ الاسماء والصفات بالکلیۃ وان تظاھروا بالرد علیھم۔‘‘** [بیان تلبیس الجھمیہ:۱۹۷، بحوالہ صفات متشابہات اور سلفی عقائد:۴۴]

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ متاخرین اشاعرہ کی حقیقت یہ ہے کہ اندر سے وہ معتزلہ اور جہمیہ کی طرح ہیں جو صفات کی نفی کرتے ہیں اگرچہ اوپر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات کو مانتے ہیں جیسا کہ معتزلہ حقیقت میں اندر سے ملحدوں کی طرح ہیں جو اسماء وصفات کی بالکلیہ نفی کرتے ہیں اگرچہ بظاہر ملحدوں پر رد کرتے ہیں۔

اہل سنت کے جمہور فقہاء، محدثین و متکلمین‘ علامہ ابن تیمیہؒ کے تشدد کی زد میں:

قارئین کرام! آپ نے غیر مقلدین اور علامہ ابن تیمیہ کی عبارات ملاحظہ فرمائیں کہ اُن کے نزدیک اَشاعرہ وماتریدیہ گمراہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی یہ بات پوری امت کو گمراہ قرار دینے کے مترادف ہے۔ ہم اپنے اِس دعوے کی دلیل کے طور پر چند اشعری اور ماتریدی حضرات کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں، جس سے قارئین بخوبی اندازہ لگاسکیں گے کیسی کیسی ہستیاں اِس غلط اور متشددانہ فتوے کی زد میں آرہی ہیں۔

چند اشعری اور ماتریدی حضرات کے اسماء گرامی:

ابن حبانؒ، دار قطنیؒ، ابوالقاسم الطبرانیؒ، ابواللیث السمرقندیؒ حاکم النیسابوریؒ ابونعیم اصبہانیؒ، ابن بطالؒ، ابوبکر البیہقیؒ، خطیب بغدادیؒ، ابوالحسن ماوردیؒ، ابوالیسر بزدویؒ، ابوحامد الغزالیؒ، ابوالمعین النسفیؒ، نجم الدین عمر نسفیؒ، محی السنہ امام بغویؒ، قاضی عیاضؒ، ابن عطیہ الاندلسیؒ، ابن عساکرؒ، علاء الدین الکاسانیؒ، برہان الدین المرغینانیؒ، ابن الجوزیؒ، فخر الدین الرازیؒ، ابن الاثیرؒ، ابن صلاحؒ، امام منذریؒ، شمس الدین قرطبیؒ، امام نوویؒ، ابن خلکانؒ، امام بیضاویؒ، ابن دقیق العیدؒ، حافظ الدین نسفیؒ، تاج الدین السبکیؒ، ابن کثیرؒ، ابن ملقنؒ، الہیثمیؒ، ابن خلدونؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، بدرالدین عینیؒ، ابن ہمامؒ، جلال الدین محلی والسیوطیؒ، ملاعلی قاریؒ، ابن نجیمؒ، ابن کمال باشاؒ، ابن حجر ہیتمیؒ وغیرہ ذالک۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ہیں جن کے نام طوالت کے ڈر سے درج نہیں کیے گئے۔

اَب ذرا اِنصاف سے بتلائیے کہ اگر اشاعرہ وماتریدیہ گمراہ ہیں تو امت کے پلے باقی کیا بچ جاتا ہے؟

اشاعرہ وماتریدیہ اکابرامت کی نظر میں:

اَب ہم اکابرامت کی چند تصریحات نقل کرتے ہیں، جن سے بخوبی واضح ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مصداق صرف اور صرف اشاعرہ وماتریدیہ ہی ہیں۔

(۱)-امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ'' **ثم لایخفی علیک یا اخی ان مدار اهل السنة والجماعة یدور علی کلام قطبین: احدهما الشیخ الامام ابومنصور ماتریدی ، والثانی الشیخ الامام ابوالحسن الاشعریؒ، فکل من تبعهما او احدهما اهتدی وسلم من الزیغ والفساد فی عقیدته.**"[القوعدالکشفیه الموضحة لمعانی الصفات الالهية:۹۰]

اے میرے بھائی! یہ بات آپ سے پوشیدہ نہ رہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مدار دو(۲) ستونوں کے کلام پر ہے: ایک امام ابومنصور ماتریدیؒ اور دوسرے امام ابوالحسن الاشعریؒ۔ پس جس نے ان دونوں کی یا دونوں میں سے کسی ایک کی اتباع کی تو اس نے ہدایت پالی اور عقیدہ کی ہر قسم کج روی وفساد سے محفوظ ہوگیا۔

(۲)-امام شعرانیؒ اپنی ایک دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں کہ:'' **واعلم یااخی ان المرادباهل السنة والجماعة فی عرف الناس الیوم ،الشیخ ابوالحسن الاشعریؒ ومن سبقه بالزمان کاالشیخ ابی منصور الماتریدی وکان الماتریدی اماماعظیمافی السنة کاالشیخ ابی الحسن الاشعری**"[الیواقیت والجواہر۴]اس عبارت کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ آج کے زمانے میں عام عرف میں بھی یہی دونوں حضرات اوران کے متبعین اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور دونوں حضرات سنت کے پکے علمبردار تھے۔

(۳)- ملاعلی قاریؒ کتاب الدعوات باب الاستعاذة میں حدیث ۱۵/کے تحت لکھتے ہیں کہ:" **وقال ابن حجروالاهواء المنكرة هی الاعتقادات الفاسدة المخالفة لماعليه اماما اهل السنة والجماعة ابوالحسن الاشعری وابومنصور الماتریدی**"[مرقاۃ ۵،۴۷۸ مکتبہ فریدیہ]

یعنی ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اھواء سے مراد وہ فاسد عقائد ہیں جو اہل السنۃ کے دو بڑے امام ابوالحسن الاشعریؒ اور امام ابومنصور ماتریدیؒ کے عقائد کے مخالف ہوں۔

نوٹ: یہ وہی ابن حجر ہیں جن کی تقلید غیرمقلدین آنکھیں بند کر کے کرتے ہیں۔ شاید اُن کے ہاں حجر پرستی تو شرک ہے لیکن ابن حجر پرستی عین توحید ہے۔

اس عبارت میں ان دونوں حضرات کے عقائد کو اہل السنۃ کے عقائد کہا ہے اور ان کے خلاف نظریات کو عقائد فاسدہ قرار دیا ہے۔

(۴)-علامہ دردیرؒ لکھتے ہیں کہ" **واشتهر الاشاعرة بهذا الاسم ای اهل السنة فی دیار خراسان والعراق والحجاز والشام واکثر الاقطار واما دیار ماوراء النهر فالمشهور فیها بهذا الاسم هو ابو منصور الماتریدی واتباعه المعروفون بالماتریدیه وکلام الفریقین علی هدی ونور.**" [مقدمہ تفسیر الماتریدی ۱، ۲۹]

یعنی خراسان، عراق حجاز شام اور اکثر ممالک میں اہل السنۃ والجماعۃ "اشاعرہ" کے نام سے مشہور ہیں اور ماوراء النہر میں اہل السنۃ والجماعۃ امام ابو منصور ماتریدی اور ان کے متبعین جو "ماتریدیہ" کے نام سے مشہور ہیں شمار کیے جاتے ہیں اور ان دونوں کے کلام میں ہدایت اور نور ہے۔

(۵)-تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ" **وهو ای مذهب الاشعری مذهب المحدثین قدیما وحدیثا الا من ابتدع فقال بالتشبیه وعزاه الی السنة.**" [طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۴/ ۳۲] اشاعرہ کا مذہب قدیماً وحدیثاً محدثین کا مذہب ہے سوائے اس شخص کے جنہوں نے تشبیہ کا قول کیا اور اس کو سنت کی طرف منسوب کیا۔

(۶)-ابن حجر ہیتمیؒ لکھتے ہیں کہ" **والمراد بالسنة ما علیه اماما اهل السنة والجماعة الشیخ ابو الحسن الاشعری وابو منصور الماتریدی**' [الزواجر عن اقتراف الکبائر ۱/ ۱۶۵] اہل السنۃ سے مراد وہ مسائل ہیں جن پر اہل السنۃ کے دو بڑے امام امام اشعری اور امام ماتریدیؒ عمل پیرا ہیں۔

نوٹ : اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اہل السنۃ والجماعۃ ہونے پر مزید اقوال کے لئے شیخ مکرم شیخ سجاد الحجابی صاحب حفظہ اللہ کے محاضرات کی طرف مراجعت کریں۔

بہر حال اساطین امت ایک طرف ہیں کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور شرذمہ قلیلۃ غیر مقلدین دوسری طرف ہیں جو اشاعرہ اور ماتریدیہ کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور **من شذ شذ فی النار** کے خوف کی وجہ سے ہم اساطین امت کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالی سے یہی دعا ہے کہ: مرتے دم تک صراط مستقیم پر قائم اِس مبارک جماعت کے دامن سے وابستہ رکھیں۔ رحم اللہ من قال آمینا۔

☆......☆......☆......☆

مجلّہ کے مضمون نگار مولانا خیر الامین مردان کا کمسن بھتیجا حسین احمد قضائے الٰہی سے وفات پا گیا ہے، قارئین دعا فرمائیں کہ اللہ پاک اُس کے والدین اور اعزہ کو صبر اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین [ادارہ]

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط: ۱۰

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

قراآتِ متواترہ (۷+۳) عشرہ:

غامدی صاحب قراآتِ عشرہ کے بھی منکر ہیں، اس بارے میں لکھتے ہیں:

’’قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے، اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے، یہ تلاوت جس قرات کے مطابق کی جاتی ہے اُس کے سوا کوئی دوسری قرات نہ قرآن ہے، اور نہ اُسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔‘‘

(میزان صفحہ ۲۷)

اِس میں شک نہیں کہ قرآن مجید صرف وہی ہے جو مصحف میں موجود ہے، اور مصحف سے باہر نہ قرآن ہے، نہ اُسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے، اِس بات سے کوئی عالم، قاری تو کیا ادنیٰ مسلمان بھی اختلاف نہیں کر سکتا، مگر اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قراآتِ متواترہ قرآن مجید نہیں ہیں، وہ قرآن مجید سے تب ہی خارج ہو سکتی تھیں جب وہ اِس مصحف سے باہر ہوتیں، مگر وہ تو اِس مصحف سے باہر کی نہیں اندر کی چیز ہیں، باہر کی چیز تفسیر تو ہو سکتی ہے، قرات نہیں ہو سکتی، آپ غور کریں اور انکار پر اڑے رہنا چھوڑ دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قراآتِ متواترہ اِسی مصحف کے اندر ہی ہیں۔

یقیناً آپ کو معلوم ہوگا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دَور سے لے کر بعد کے کافی عرصہ تک جو کچھ لکھا جاتا رہا ہے اُن دَوروں میں لکھے ہوئے مضامین و کتب میں نہ نقطے ہوتے تھے، نہ ہی حرکات ہوتی تھیں، قرآن مجید بھی ایسے ہی لکھا گیا ہے، کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاءِ راشدین کے دوروں میں نہ اُس پر نقطے تھے نہ حرکات، تو ایسی لکھائی کی صورت میں ایک کلمے یا جملے میں ایک نہیں بہت سے احتمالات پیدا ہو سکتے ہیں، اور جب قرآن مجید جیسی کتاب میں پیدا ہونے والے ایسے متعدد احتمالات میں سے ہر احتمال محض احتمال نہ رہے، بلکہ احتمال سے نکل کر یقین کا درجہ حاصل کر لے کہ اُس کو لینے والے، نقل کرنے والے پڑھنے والے اتنے زیادہ ہوں کہ اُن کا جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو، تو پھر کیوں اور کِس دلیل کی بنیاد پر اُس کا انکار کرنا مناسب اور درست ہوگا؟

اِس کو چند مثالوں سے سمجھیں!

(۱)- سورہ فاتحہ میں ہے **ملک یوم الدین** : اِس میں دو قراءتیں ہیں، **مَلِکِ**، **مٰلِکِ**، اِن میں سے کونسی قرات اِس مصحف سے باہر ہے؟

(۲)- **المغضوب علیھم** : اِس میں وصل کی صورت میں تین قرائتیں ہیں **عَلَیْھِمْ** میم پر جزم، **عَلَیْھِمُ** میم پر الٹا پیش، **عَلَیْھُمُ**، ہاء کے پیش کے ساتھ، کونسی قرات مصحف سے باہر ہے؟

(۳)- **فیہ ھدی** : دو قرائتیں ہیں، **فِیْہِ ھُدًی**، ہِ ضمیر میں حرکت کسرہ، **فِیْہُ ھُّدًی**، ہِ ضمیر میں جزم اور دوسری ہاء میں ادغام، اور **ھدی** کی دال پر کھڑی زبر، اور پڑی دو زبر۔

(۴)- **یومنون بالغیب**: میں دو قرائتیں ہیں، **یُؤْمِنُوْنَ** ،**یُوْمِنُوْنَ** ، یاء کے بعد ہمزہ کے ساتھ ،ہمزہ کے بغیر، مصحف میں ہمزہ نہیں لکھا گیا تھا۔

(۵)- **یقیمُون الصلوۃ** : صاد کے بعد لام مفخم اور مرقق دونوں قرائتیں ہیں۔

(۶)- **وبالاخرۃ** : دو قرائتیں ہیں، **بِالْاٰخِرَۃِ** ، لام پر جزم اور ہمزہ پر کھڑی زبر، **بِالَاخِرَۃِ** ،با کا کسرہ، لام پر کھڑی زبر، الف بلا حرکت، یہ علم صرف کے ایک قانون کے مطابق ہے۔

(۷)- **ءانذرتھم** : چار قرائتیں ہیں، **ءَاَنْذَرْتَھُمْ** ،**ءآنْذَرْتَھُمْ**، **آنْذَرْتَھُمْ**، **ءَاٰنْذَرْتَھُمْ**۔

(۸)- **مایخدعون** : دو قرائتیں، **یَخْدَعُوْنَ** ،**یُخٰدِعُوْنَ**۔

(۹)- **یکذبون** : دو قرائتیں ہیں، **یَکْذِبُوْنَ**، **یُکَذِّبُوْنَ**۔

(۱۰)- **قیل لھم** : تین قرائتیں، **قِیْلَ لَھُمْ** ،**قِیْلُ لَّھُمْ** ،**قُیْلُ لَّھُمْ**۔

(۱۱)- **مستھزون** : تین قراءتیں، **مُسْتَھْزُوْنَ** ، **مُسْتَھْزِءُوْنَ** ،**مُسْتَھْزِیُوْنَ**۔

(۱۲)- **وھو**: دو قرائتیں **وَھُوَ** ،**وَھْوَ**۔

(۱۳)- **فھی** میں **فَھْیَ**، **فَھِیَ**۔

(۱۴)- **انی اعلم ما**: تین قرائتیں ،**اِنِّیَ اَعْلَمُ مَا**،**اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا**،**اِنِّیَ اَعْلَمُ مَّا**۔

(۱۵)- **انبونی**: تین قراءتیں، **اَنْبِئُوْنِیْ** ،**اَنْبُوْنِیْ**،**اَنْبِیُوْنِیْ**۔

(۱۶)- **فازلھما**: دو قرائتیں، **فَاَزَلَھُمَا**، **فَاَزَلَّھُمَا**۔

(۱۷)- **فتلقی ادم من ربہ کلمات**: دو قرائتیں، **فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ** ،**فَتَلَقّٰی آدَمَ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٌ**۔

(۱۸)- **لاتقبل منھاشفاعۃ** : اس میں **لَاتُقْبَلُ** اور **لَا یُقْبَلُ** یاء اور تاء کے ساتھ دونوں

قرائتیں ہیں، جب نقطے لکھے ہوئے نہ تھے نہ اوپر نہ نیچے، تو ظاہر ہے کہ یا، تا دونوں پڑھے جاسکتے تھے۔

(۱۹)- **بارئکم** : تین قرائتیں ہیں **بَارِئِکُمْ** ، **بَارِیکُمْ** ،**بَارِئْکُمْ**، ظاہر ہے کہ نہ ہمزہ لکھا گیا تھا، نہ یا محض علامت لکیر تھی جس میں یا ہمزہ دونوں پڑھے جاسکتے تھے۔

(۲۰)- **ظللنا**: دوقرائتیں، **ظَلَلْنَا**، **ظَلَّلْنَا**۔

(۲۱)- **علیھم الذلة** : تین قرائتیں، **عَلَیْھِمُ الذِّلَّةُ** ،**عَلَیْھِمِ الذِّلَّةُ** ،**عَلَیْھُمُ الذِّلَّةُ**۔

(۲۲)- **النبیین** : دوقرائتیں: **النَّبِیّٖنَ** ،**النَّبِیْئِیْنَ**۔

(۲۳)- ایسے **الصّابئین** میں **الصَّابِئِیْنَ** ،**الصَّابِیِیْنَ**۔

(۲۴)- **یامرکم** : تین قرائتیں **یَامُرُکُمْ** ،**یَأْمُرُکُمْ** ،**یَأْمُرْکُمْ**۔

(۲۵)- **یعملون**: نقطوں کے بغیر تھا تو دونوں احتمال تھے **یَعْمَلُوْنَ** ،**تَعْمَلُوْنَ** ،اس لئے یہاں دونوں قرائتیں ہیں۔

(۲۶)- **خطیئته**: دوقرائتیں، **خَطِیْئَتُهٗ** ،**خَطِیَّتُهٗ**۔

(۲۷)- **لاتعبدون** : دوقرائتیں **لَاتَعْبُدُوْنَ** ،**لَایَعْبُدُوْنَ** ہیں، نقطے نہ ہونے کے سبب دونوں قرائتوں کی گنجائش تھی۔

(۲۸)- **حسنا**: دوقرائتیں ،**حُسْنًا**،**حَسَنًا**۔

(۲۹)- **تظاھرون** : دوقرائتیں ، **تَظَاهَرُوْنَ** ،**تَظّٰهَرُوْنَ**۔

(۳۰)- **اسری** : دوقرائتیں ہیں،**اَسْرٰی** ،**اُسٰرٰی** ۔

(۳۱)- **تفدوھم** : دوقرائتیں ہیں،**تُفْدُوْھُمْ** ،**تَفْدُوْھُمْ** ۔

(۳۲)- **الْقدس**: دوقرائتیں ہیں **الْقُدُسِ**، **الْقُدْسِ**۔

(۳۳)- **ینزل**: دو ہیں،:**یُنَزِّلَ** ،**یُنْزِلَ** ۔

(۳۴)- **جبریل**: میں **جِبْرِیْلَ** ،**جِبْرَئِیْلَ**،**جَبْرِیْلَ** ۔

(۳۵)- **میکال**: میں **مِیْکَالَ** ،**مِیْکَائِلَ** ،**مِیْکَائِیْلَ**۔

(۳۶)- **لکن الشیاطین** : میں **لٰکِنَّ الشَّیَاطِیْنَ** ،**لٰکِنِ الشَّیَاطِیْنَ** ۔

(۳۷)- **لبئس** : میں **لَبِئْسَ** ،**لَبِیْسَ**۔

(۳۸)- **ماننسخ** : میں **مَانَنْسَخْ** ،**مَانُنْسِخْ** ۔

(۳۹)- **یحکم** : میں **یَحْکُمُ** ،**یُحْکَمُ** ۔

(۴۰)- ولاتسئل : میں وَلَاتُسْئَلُ ،وَلَاتَسْئَلْ ۔

(۴۱)- کن فیکون : میں فَیَکُوْنُ ،فَیَکُوْنَ ۔

(۴۲)- عھدی الظالمین : میں عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ،عَھْدِیَ الظّٰلِمِیْنَ۔

(۴۳)- واتخذوا: میں وَاتَّخَذُوْا، وَاتَّخِذُوْا ۔

(۴۴)- للطائفین : میں لِلطَّائِفِیْنَ ،لِلطَّایِفِیْنَ ۔

(۴۵)- فامتعهٗ : میں فَاُمَتِّعُهٗ ،فَاُمْتِعُهٗ ۔

(۴۶)- وارنا: میں وَاَرِنَا،وَاَرْنَا۔

(۴۷)- النبیون : میں النَّبِیُّوْنَ ، والنَّبِیْئُوْنَ۔

(۴۸)- ام یقولون : میں یَقُوْلُوْنَ ،تَقُوْلُوْنَ ،وغیرہ

یہ ایک پارہ میں سے چند مثالیں ہیں، سارے قرآن مجید میں ایسے ہے، کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ یہ سب اِس مصحف میں ثابت ہے؟

اس کے علاوہ بعض جگہ کئی قراء امالہ کرتے ہیں، بعض وقف روم یا اشمام کرتے ہیں، یا سکتہ کرتے ہیں، یا مداوراُس کی مقدار میں کئی قرائتیں ہیں، وغیرہ اِس سب کچھ کی اِس مصحف میں گنجائش ہے، اور یہ سب اِس مصحف میں ہے، اور جب اس کی گنجائش بھی ہے اور ثابت بھی ہے تو پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، جو قرات تواتر سے ثابت نہ ہو، یا اِس مصحف کے خلاف ہو اُس کو یا تو قراتِ شاذہ کا نام دیا جاتا ہے، یا تفسیر کہا جاتا ہے۔

صحابہ کی قرات:

مزید غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’نبی ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی قرأت یہی تھی، آپ کے بعد خلفاء راشدین کی اور تمام صحابہ مہاجرین وانصار اسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے تھے، اس معاملے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا، بعد میں یہی قرات قراتِ عامہ کہلائی، ابوعبدالرحمٰن السلمی کی روایت ہے:

كانت قراء ة ابی بكر وعمر وعثمان وزيدبن ثابت والمهاجرين والانصار واحدة كانوا يقرء ون القراء ةالعامة وهی القراء ة التی قرأها رسول اللهﷺ علی جبريل مرتين فی العام الذی قبض فيه وكان زيدقدشهدالعرضة الاخيرة وكان يقرء الناس بهاحتی مات.(البرهان للزركشی:۱/۳۳۱)

ابوبکر وعمر وعثمان وزید بن ثابت اور مہاجرین وانصار کی قرأت ایک ہی تھی، وہ قرأت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے، یہ وہی قرأت ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا، عرضہ اخیرہ کی اس قرأت میں زید بن ثابت بھی موجود تھے، دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔ (میزان: ۲۸، ۲۹)

یہاں غامدی صاحب اپنے غلط نظریہ کو سہارا دینے کے لئے قارئین کو مغالطہ دینے سے بھی نہیں چوکے، دراصل اِس عبارت سے پہلے امام بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ (م ۷۹۴ھ) قرآن مجید کی موجودہ ترتیب کو بیان کررہے ہیں، قرآن مجید کی ایک ترتیبِ نزولی ہے، اور ایک ترتیبِ تلاوت ہے، ترتیبِ نزولی اِس ترتیبِ تلاوت کے خلاف ہے، اور واقعی اِس کے خلاف ہے، امام زرکشی بیان کرتے ہیں کہ یہ ترتیبِ تلاوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے ہے، اور اِس ترتیب سے سب طرح کا (اگر بالفرض کوئی اختلاف تھا بھی، تو وہ) اختلاف ختم ہوگیا، اِس پر وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ اِس کا بظاہر مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ ترتیبِ تلاوت صحابہ کی ترتیب ہے، نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں؟ امام زرکشی رحمہ اللہ نے اِسی وہم کو دُور کرنے کے لئے ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ کی روایت نقل کی ہے، کہ

"ابوبکر وعمر وعثمان وزید بن ثابت اور مہاجرین وانصار کی قرأت ایک ہی تھی، وہ قرأت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے، یہ وہی قرأت ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا، عرضہ اخیرہ کی اس قرأت میں زید بن ثابت بھی موجود تھے، دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔"

یعنی ایک قرآت سے مراد اِسی ترتیبِ تلاوت کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے، اور یہی قرآتِ عامہ ہے یعنی سب صحابہ تابعین اِسی ترتیبِ تلاوت سے تلاوت کرتے تھے، اور عرضہ اخیرہ میں رسولُ اللہ ﷺ اور جبریل امین علیہ السلام کی دونوں دوروں میں یہی ترتیبِ تلاوت تھی، اور اِسی اخیری ترتیبِ تلاوت کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا تھا، اور اِسی ترتیبِ تلاوت پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وفات تک لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے ہیں، اِس قرآتِ عامہ اور زید بن ثابت کی قرآت اور مہاجرین وانصار کی قرآت سے امام حفص کی قرآت مراد ہی نہیں ہے، امام زرکشی نے نہ اِس عبارت وروایت سے پہلے اِس کا کوئی تذکرہ کیا ہے نہ اِس عبارت وروایت کے بعد کوئی تذکرہ کیا ہے، غامدی صاحب کو اپنی بات حق ہونے پر یقین ہے تو ثبوت ایسا تو دیں جو یقینی درجے کا تو ہو، محض مغالطہ میں ڈالنا کونسی دینی خدمت ہے؟

ثانی: یہ روایت **شرح السنۃ للبغوی** میں (بلاسند) نقل ہے،اور جتنی کتابوں میں ہم نے تلاش کی سب نے امام زرکشی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے،اور امام زرکشی سے ابوعبدالرحمٰن سلمی تک اِس کی سند کیا ہے؟ نہ زرکشی نے اِس کو ذکر کیا ہے، نہ ہی کسی اور نے ،غامدی صاحب متواتر قراآت کی تردید میں اگر متواتر روایت پیش نہیں کرتے تو کم ازکم صحیح سندوالی روایت تو پیش کریں ،جب کہ اِس کی سند ہی معلوم نہیں ہے،کیا آپ نے اصولِ حدیث اپنے مخالفین کے لیے لکھے ہیں؟

مسلمانوں کا تواتر کس قراءت پر؟

مزید غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”چنانچہ صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اِسی قرآت کو حاصل ہے، ہمارے علماء اسے قراءت حفص کہتے ہیں۔“ (میزان:۲۹)

ٹھیک ہے کہ روایتِ حفص متواتر ہے،اور اِس پر مسلمانوں کا قولی تواتر ہے،لیکن صرف اِسی پر قولی تواتر ہے؟ ہرگز نہیں ،مسلمان اہل علم اور قراء حفاظ سب قراآت عشرہ کو متواتر کہتے ہیں، نہ کہ صرف روایتِ حفص کو،اس لئے آپ کا لفظ ”صرف“ خلافِ حقیقت ہے۔

غامدی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”یہ قراءت عامہ ہے،اور سلف جیسا کہ اوپر بیان ہوا اس کا تعارف بالعموم اسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے،ابن سیرین کی روایت ہے: **القراء ۃ التی عرضت علی النبی ﷺ فی العام الذی قبض فیہ ھی القراء ۃ التی یقرؤھاالناس الیوم. (الاتقان ،السیوطی:۱۸۴/۱)**

”نبی کریم ﷺ کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت بھی تلاوت کر رہے ہیں۔“ (میزان:۲۹)

بظاہر یہ سمجھ ہی نہیں آتا کہ ابن سیرین کی روایت اُن کا قول ہے یا کسی اور کا؟ یہ عبیدہ سلیمانی کا قول ہے، یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

اول: تو یہ روایت بھی سنداً کمزور ہے،علی بن زید بن جدعان پر کلام ہے۔

ثانی: یہاں بھی قرات سے مراد وہی ترتیبِ تلاوت ہے۔

ثالث: یا پھر مراد خاص قرات یعنی روایتِ حفص نہیں ہے، بلکہ ہر وہ قرات ہے جو لکھے ہوئے اِس مصحفِ عثمانی کے اندر اندر ہو،جیسا کہ روایت کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں،اور جو اِس سے باہر ہو،مثلاً اُس میں الفاظ اِس سے بدلے ہوئے یا بڑھے ہوئے ہوں ایسی قرات کی نفی مقصود ہے،اور جو ایسی قرات ہو وہ یا تو

بطور قراءتِ شاذہ یا ضعیفہ منقول ہے جو غیر معتبر ہے، یا پھر بطور تفسیر منقول ہے۔

امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسماعیل المقدسی الدمشقی معروف بہ ابوشامہ رحمہ اللہ (م ٦٦٥ ھ) فرماتے ہیں:

وذکر المحققون من اهل العلم بالقراءة ضابطاحسنافی تمییز مایعتمدعلیه من القراءات ومایطرح، فقالواكلُ قراءة ساعدهاخط المصحف مع صحة النقل فیهاومجیئهاعلی الفصیح من لغة العرب فهی قراءة صحیحة معتبرة ،فان اختل احدهٰذه الارکان الثلاثة اطلق علی تلک القراءة انهاشاذة اوضعیفة اشارالی ذالک کلام المتقدمین ونص علیه ابومحمدمکی رحمه الله تعالی فی تصنیف له مرارا،وهوالحق الذی لامحید عنه. (ابرازالمعانی من حرزالامانی لابی شامة م٦٦٥ صفحه:٥)

علمِ قرات کے محققین اہل علم نے قابل اعتماد و نا قابل اعتماد قراءتوں کو ممتاز کرنے کے لئے ایک اچھا ضابطہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ رسمِ عثمانی جس قرات کی موافقت کرے، اور صحیح سند سے ثابت ہو، اور فصیح عربی لغت کے مطابق ہو، ایسی قرات صحیح و معتبر ہے، اور اگر اِن تین باتوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو وہ قرات شاذ یا ضعیف کہی جائے گی، متقدمین کا کلام اِسی طرف مشیر ہے، اور امام ابومحمد مکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں بار ہا اِس کو بیان کیا ہے، یہی حق ہے جس سے ہٹنا درست نہیں ہے۔

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

”بیان کیا جاتا ہے کہ ابوعبید قاسم بن سلام نے جن کی وفات ۲۲۴ھ میں ہوئی، ان میں سے پچیس کا انتخاب اپنی کتاب میں کیا تھا، اس وقت جو سات قراء تیں مشہور ہیں یہ ابوبکر بن مجاہد نے تیسری صدی کے آخر میں کسی وقت منتخب کی تھیں۔“ (میزان:۳۲)

امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (م ۲۲۴ھ) نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام **”القراءات“** ذکر ہوتا ہے، یہ کتاب نایاب ہے، مگر اُس کے مضامین متعدد کتبِ اسلاف میں منقول ملتے ہیں، امام ابوشامہ رحمہ اللہ امام ابوعبید کی **”القراءات“** سے نقل کرتے ہیں

”امام ابوعبید نے کتاب کے شروع میں اُن صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم وغیرہم کے نام ذکر کیئے، جن سے متعدد وجوہِ قراءات منقول ہیں، حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، سعد، ابن مسعود، حذیفہ، سالم، ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس، عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمرو، معاویہ، ابن زبیر، عبداللہ بن سائب، ام المؤمنین عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابودرداء، زید بن ثابت، ابوزید، مجمع بن حارثہ، انس بن مالک، رضی اللہ عنہم

سعید بن میبّب، عروہ، سالم، عمر بن عبدالعزیز، عطاء بن یسار، معاذ بن حارث، عبدالرحمٰن بن

ہرمزاعرج، ابن شہاب، مسلم بن جندب، زید بن اسلم، عبید بن عمیرہ، عطاء، طاؤس، مجاہد، عکرمہ، ابن ابی ملیکہ، علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، عمرو بن شرحبیل، حارث بن قیس، ربیع بن خیثم، عمرو بن میمون، ابوعبدالرحمٰن سلمی، زر بن حبیش، عبید بن نضلہ، ابوزرعہ بن عمرو ابن جریر، سعید بن جبیر، نخعی، شعبی، عامر بن عبد قیس، ابوالعالیہ، ابورجاء، نصر بن عاصم، یحیٰی بن یعمر، جابر بن زید، حسن، ابن سیرین، قتادہ، مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی، رحمہم اللہ‘‘

پھر بعض مخصوص حضرات ایسے ہوئے جنہوں نے علمِ قرات کو اپنا مشغلہ بنالیا حتی کہ اُن کو درجہ امامت حاصل ہوگیا وہ یہ ہیں:

مدینہ طیبہ میں ابوجعفر یزید بن القعقاع، شیبہ بن نصاح، نافع بن ابی نعیم، مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن کثیر، حمید بن قیس اعرج، محمد بن محیصن، کوفہ میں یحیٰی بن وثاب، عاصم بن بہدلہ، سلیمان بن مہران اعمش، حمزہ کسائی، بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق، عیسی بن عمر، ابوعمرو بن العلاء، عاصم جحدری، شام میں عبداللہ بن عامر، یحیٰی بن حرث ذماری، خلید بن سعد، عطیہ بن قیس کلابی، اسماعیل بن عبیداللہ بن ابی المہاجر۔

ان میں سے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن کثیر، مدینہ طیبہ میں نافع بن ابی نعیم، بصرہ میں ابوعمرو بن العلاء رحمہم اللہ کو خاص مقام حاصل ہوگیا، اِن حضرات کے بعد تو قراء حضرات کی خوب کثرت ہوئی، جس کے سبب اختلاف، قلتِ ضبط، حق وباطل میں اشتباہ وغیرہ خرابیاں پیدا ہوئیں (بعینہ ایسے ہی جیسے احادیث میں شب خون مارنے کی کوشش کی گئی جس کے آگے ائمہ محدثین سدِ سکندری بن گئے)، تو اہل علم کو اِن (صحیح قراآت) کے لئے خوب محنت کرنا پڑی، اور اہل علم نے کتابیں لکھیں (اور قراآت صحیحہ پر شب خون مارنے والوں کی کوشش ناکام بنادی) اس کے لئے امام ابوبکر احمد بن موسی بن العباس بن مجاہد نے کتاب ’’**السبعة**‘‘ لکھی‘‘

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم لما اتسع الخرق وكاد الباطل يلتبس بالحق قام جهابذ ة الامة وبالغوا فى الاجتهاد وجمعوا الحروف والقراء ات وعزوا الوجوه والروايات وميزوا الصحيح والمشهور والشاذ باصول اصلوها واركان فصلوها . فاول من صنف فى القراات ابو عبيد القاسم بن سلام ثم احمد بن جبير الكوفى ثم ا سماعيل ابن سحاق المالكى صاحب قالون ثم ابو جعفر ابن جرير الطبرى ثم ابو بكر محمد بن احمد بن عمر الدجونى ثم ابو بكر مجاهد ثم قام الناس فى عصره وبعده بالتأليف فى انواعها جامعا ومفردا موجزا ومسهبا .وائمة القراء ات لا تحصى .وقد صنف طبقاتهم حافظ الاسلام ابو عبد الله الذهبى ثم حافظ القرآن ابو الخير بن الجزرى اه (مناهل العرفان:۱/۴۲۶)

پھر جب اختلاف وسیع ہونے لگا اور قریب تھا کہ حق میں باطل خلط ملط ہوتا، امت کے اکابر اٹھ کھڑے ہوئے اور خوب محنت کی، اور حروف وقراآت جمع کیں، اور وجوہِ قرات اور کچھ اصول مقرر کر کے اور کچھ ارکانِ قرات کھول کر روایات مضبوط کیں، اور صحیح مشہور، اور شاذ الگ الگ کیں، سب سے پہلے قراآت میں لکھنے والے امام ابوعبید قاسم بن سلام پھر احمد بن جبیر کوفی، پھر قالون کے ساتھی اسماعیل بن اسحاق مالکی، پھر ابوجعفر ابن جریر طبری، پھر ابوبکر محمد بن احمد بن عمر دجونی، پھر ابوبکر مجاہد رحمہم اللہ نے کتابیں لکھیں، پھر اُن کے دور میں اور اُس کے بعد مزید علماء بھی کھڑے ہوئے، جنہوں نے قرات کی انواع میں جامع، جزء وغیرہ اختصار کے ساتھ اور تفصیل کے ساتھ تحریر کیے، ائمہ قراآت بے شمار ہیں، جن کے طبقات پر امام ذہبی رحمہ اللہ نے اور پھر ابن الجزری رحمہ اللہ نے کتابیں لکھی ہیں۔

آگے چلنے سے پہلے خصوصاً اِن دو حضرات کا مختصر تعارف پیش کرنا ضروری ہے۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ:

امام ابوعبید بغدادی لغوی سنہ ۱۵۷ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۲۲۴ھ میں فوت ہوئے، امام ذہبی (۷۴۸ھ) اُن کو **الامام المجتهد البحر الفقيه** کے القاب دیتے ہیں، ہشیم، سفیان بن عیینہ، عباد بن العوام، امام احمد بن حنبل اور محمد بن ادریس شافعی، عبداللہ بن مبارک، شریک بن عبداللہ قاضی رحمہم اللہ سے حدیث لیتے ہیں، اور امام عثمان بن سعد دارمی، ابوبکر ابن ابی الدنیا، حارث بن ابی اسامہ، جیسے محدثین عظام حدیث میں اُن کے شاگرد ہیں، امام احمد فرماتے ہیں ابوعبید استاذ ہیں، ہر دن خیر میں بڑھ رہے ہیں، ابوداؤد فرماتے ہیں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، امام ذہبی فرماتے ہیں جو اُن کی کتابوں میں نظر کرے اُس کو اُن کے حفظ وعلم کا علم ہوگا، وہ حدیث اور علل حدیث کے حافظ تھے، فقہ اور اختلاف کی معرفت حاصل تھی، لغت میں سردار، اور قراآت میں امام تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۲ر۵، ۶)

امام ابوعبید قرآن مجید میں امام علی بن حمزہ کسائی، اسماعیل بن جعفر، شجاع بن ابی نصر، حجاج بن محمد، ابومسہر، ہشام بن عمار، سلیمان بن حماد، یحییٰ بن آدم رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں، اور ان کے شاگرد قراآت میں احمد بن ابراہیم، احمد بن یوسف تغلبی، وغیرہ ہیں۔

اِنہوں نے جو کتاب "**القراآت**" لکھی ہے امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

ولہ فی القراآت کتاب جید، لیس لاحدمن الکوفیین قبلہ مثلہ "(تاریخ الاسلام ۵ر ۶۵۴) اُن کی یہ کتاب عمدہ کتاب ہے، اُن سے پہلے کسی کوفی کی اِس کی مثل کتاب نہیں ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ اُن کو اپنے سے اور امام احمد وشافعی سے بڑھ کر فقیہ وعالم فرماتے ہیں (تاریخ

الاسلام ذہبی)

امام ابوعبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں:

استخرج بعض الامراء من خزانة مصحف عثمان رضی الله عنه الموسوم بالامام و كان فی حجره حين اصيب ورئيت آثارالدم فی مواضع منه واكثرمارئيتهٔ فی سورة والنجم. (مختصرالتبيين لهجاء التنزيل:۱۴۲/۱،ابوداؤد سليمان بن نجاح الاندلسی م۴۹۶ھ)

”ایک حاکم نے (میرے لئے) ایک الماری سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ قرآن مجید نکالا تھا جس کو ’’الامام‘ کہا جاتا ہے،اور یہ قرآن مجید شہادت کے وقت اُن کی گود میں تھا،میں نے اُس کی متعدد جگہوں میں خون کے نشانات دیکھے،اور میں نے زیادہ تر سورہ نجم میں نشانات دیکھے ہیں۔“

ایسا خوش قسمت انسان جسے مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی،اگر وہ قرآن مجید کی صحیح قرات سے واقف نہ قرار پائے گا تو کیا پندرویں صدی کا شخص اُس سے زیادہ واقف ٹھہرایا جائے گا؟ ہرگزنہیں۔

امام ابوبکراحمد بن موسیٰ بن العباس بن مجاہد رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ):

امام ابوبکرابن مجاہد رحمہ اللہ،ربیع الاخرسنہ ۲۴۵ھ کو پیدا ہوئے،اپنے وقت کے شیخ القراء تھے،سب قراءِ زمانہ سے مقدم تھے،امام علی بن عمردارقطنی،اور ابوحفص ابن شاہین،ابوالقاسم بن النخاس وغیرہ جیسے محدثین حدیث میں اُن کے شاگرد ہیں،امام احمد بن یحییٰ نحوی نے سنہ ۲۸۶ھ کو فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں ابوبکر بن مجاہد سے بڑھ کر کتابُ اللہ کا علم رکھنے والا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔(تاریخ بغداد)

اُن کے قرآن مجید میں استاذ قُنبُل مکی،ابوالزعراء عبدالرحمٰن بن عبدوس،عبداللہ بن کثیر مؤدب ہیں،عبدالرحمٰن بن عبدوس کو دس ختم سنائے،امام شمس الدین ابوالخیرابن الجزری محمد بن محمد بن یوسف (م۸۳۳ھ) نے قراآت میں اُن کے سنتالیس (۴۷) اساتذہ کا ذکر کیا ہے،جن میں امام عبداللہ بن احمد بن حنبل،اور امام محمد بن جریر طبری بھی ہیں۔

اور امام ابوبکر کے خاص استاذ قراآت کے مشہور مقری امام قُنبُل ہیں،جو مقریءِ مکہ مکرمہ امام عبداللہ بن کثیر کے شاگردِ خاص ہیں۔

قراآت میں ساٹھ سے اوپر ان کے شاگردوں کے نام لکھے ہیں،امام ابن الاخرم رحمہ اللہ ایک بار حاضر ہوئے تو اُنہوں نے تین سو سے زیادہ شاگرداُن کے حلقہ میں دیکھے،المقری علی بن عمر رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ ابن مجاہد کے حلقہ میں چوراسی آدمی تو اُن کے نائب بن کر لوگوں تک بات پہنچاتے تھے،

ابن مجاہد نے امام نافع کی قرات عبدالرحمٰن بن عبدوس سے (جو ابوعمر دوری کے شاگرد ہیں) شروع قرآن سے آخر تک بیس بار پڑھی ہے (معجم حفاظ القرآن،)

ابن مجاہد کی قراآت پر مستقل کتابیں ہیں **القراآت الکبیر،القراآت الصغیر، کتاب الیاء ات ، کتاب الهاء ات ،قراء ۃ ابی عمرو،قراء ۃ ابن کثیر،قراء ۃ عاصم ،قراء ۃ نافع،قراء ۃ حمزہ ،قراء ۃ الکسائی،قراء ۃ ابن عامر،قراء ۃ النبی ﷺ ، کتاب السبعة ،انفراد القراء السبعة ،قراء ۃ علی رضی اللہ عنہ.**

غامدی صاحب: منکرین حدیث وفقہ کے راستے پر!

قراآت سے متعلق غامدی کا نظریہ وہی ہے جو منکرینِ حدیث کا حدیث سے متعلق ہے، اور منکرینِ فقہ کا فقہ سے متعلق ہے،منکرینِ حدیث اس بنیاد پر حدیث کے انکاری ہوئے کہ یہ احادیث نبی کریم ﷺ کے دور میں مرتب نہیں ہوئیں، دوسری تیسری چوتھی صدی کے محدثین نے مرتب کی ہیں،لہٰذا اِن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، حالاں کہ جن حضرات نے مرتب کیں اُنہوں نے صحابہ کرام اور نبی کریم ﷺ تک اپنی اسانید بتائی ہیں،یعنی اُنہوں نے وہ حدیثیں گھڑی نہیں ہیں بلکہ وہی حدیثیں درج فرمائیں جو نبی کریم ﷺ نے واقعی فرمائی تھیں،اور صحابہ تابعین تبع تابعین نے اُن کو محفوظ کر کے اِن حضرات تک پہنچائی تھیں۔

اور فقہ کے منکرین کہتے ہیں کہ یہ مسائلِ فقہ گھڑے ہوئے ہیں،ائمہ اربعہ اور خصوصاً امام ابوحنیفہ نے اور اُن کے بعد کے فقہاء نے اپنے قیاسات وآراء کو مسائل بنا کر امت کو دے دیا،لہٰذا یہ قابل اعتبار نہیں، براہِ راست قرآن وحدیث سے مسائل اخذ کئے جائیں،حالاں کہ ان ائمہ نے قرآن وحدیث کی نصوص سامنے رکھ کر ہی مسائل بیان کئے بلفظ دیگر نبی کریم ﷺ پر اترنے والے شرعی احکام جو واقعی شرعی تھے،اللہ کے بنائے ہوئے اور رسول کے بتائے ہوئے مسائل ہی تھے،مگر مدوّن نہیں تھے ائمہ نے بس اُن کو مدون کر دیا۔

ایسے ہی ائمہ قراآت نے قراآت خود نہیں گھڑیں ، بلکہ اپنی اسانید کے ساتھ صحابہ کرام اور نبی کریم ﷺ تک پہنچائیں،وہ قراآت وہی تھیں جو پہلے سے مسلمان پڑھتے آرہے تھے،مگر غامدی صاحب منکر قراآت بنے وہی کچھ کہہ کر جو منکرینِ حدیث ومنکرینِ فقہ نے کہا تھا،اول گروہ محدثین پر اعتماد نہ کر کے منکر حدیث بنا،دوسرا گروہ ائمہ فقہاء پر اعتماد نہ کر کے منکر فقہ بنا،اور یہ تیسرا گروہ ائمہ قراآت پر اعتماد نہ کر کے منکرِ قراآت یعنی منکرِ قرآن بنا،اب دین کی کونسی وہ بنیاد باقی رہی جس پر مسلمان یقین کریں؟

منکرینِ حدیث کے نزدیک بنیاد صرف قرآن ہے،مگر اُن پر سوال ہوگا کہ قرآن کی سچائی کے لئے سند پیش کیجیے؟ وہ ثبوت دیں کہ یہ اللہ تعالی کی کتاب ہے اور نبی کی اپنی بنائی ہوئی نہیں؟ اور یہ کہ اللہ تعالی نے

جو کتاب نازل فرمائی تھی ازاول تا آخر وہ یہی کتاب تھی، نہ اُس میں کمی ہوئی ہے نہ اضافہ؟

منکرینِ فقہ کے نزدیک صرف قرآن وحدیث باقی ہے اور کچھ نہیں، اُن سے سوال ہوگا کہ آپ کو سابق ائمہ دین پر اعتماد ہی نہیں تو اُن کے ذریعے ملنے والے قرآن وحدیث کیسے حق ہوئے، اور قرآن وحدیث سے متعلق اُن پر کیسے اعتماد آ گیا؟

اِس منکر قراآت غامدی صاحب سے سوال ہوگا کہ جناب کے نزدیک باقی قراآت مشکوک ہیں، جب کہ اُن کو پہنچانے والے زماناً بعد زمانٍ وہی اسلاف ہی ہیں، جنہوں نے روایتِ حفص پہنچائی، تو اگر دوسری قراآت پہنچانے میں وہ پورے دیانتدار نہیں تھے، تو آپ کو جو روایتِ حفص ملی اُس کی سچائی کی اتھارٹی کیا ہے؟ آخر اِس کو کونسے فرشتے آپ تک لائے؟

قراآت سبعہ کے قارئین کی اسانید:

آگے چلنے سے پہلے ذکر کرتے چلیں کہ اِن قراآت سبعہ کے قراء کی اسانید کیا ہیں، تاکہ منکرینِ قراآت پر اتمامِ حجت ہو جائے۔

(۱)–امام نافع بن ابی نعیم :

امام ابوعبدالرحمٰن نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم لیثی رحمہ اللہ (م ۱۶۹ھ) مدینہ طیبہ میں مرکز قرات تھے، اصل میں اصفہان سے ہیں، تابعین کی ایک جماعت سے قرات پڑھی۔

۱)- اُن کے اساتذہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (م ۱۱۷ھ) ہیں، اور عبدالرحمٰن بن ہرمز نے حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس اور عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہم سے قرات پڑھی، ہارون بن مسیّب جنہوں نے امام نافع سے قرات پڑھی فرماتے ہیں کہ ہمیں امام نافع نے بتایا کہ اُنہوں نے اعرج سے قرات پڑھی، اور اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پڑھی، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضرت ابی بن کعب سے پڑھی، اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قرآن پڑھایا اور فرمایا کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے حکم دیا کہ تجھے قرآن پڑھاؤں۔

۲)- دوسرے استاد ابوجعفر یزید بن القعقاع (م ۱۲۸ھ) مولی عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی ہیں، امام ابوجعفر نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اور اپنے مولی عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہ سے قرات حاصل کی ہے، اور عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرات لی ہے۔

امام احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ ابوجعفر نے عبداللہ بن عیاش سے قرات پڑھی، اور عبداللہ بن عیاش نے ابی بن کعب سے اور ابی نے نبی کریم ﷺ سے پڑھی۔

امام یعقوب بن جعفر بن ابی کثیر انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوجعفر نے عبداللہ بن عباس سے اور اپنے مولی عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ سے قرات پڑھی ہے۔

امام سلیمان بن مسلم بن جماز زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابوجعفر سے سنا وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے قرات نقل کر رہے تھے۔

اور سلیمان بن جماز فرماتے ہیں مجھے ابوجعفر نے خبر دی کہ وہ اپنے مولی عبداللہ بن عیاش مخزومی رحمہ اللہ کے سامنے مصحف پکڑے ہوتے تھے اور عبداللہ سب لوگوں سے بڑھ کر قاری تھے، ابوجعفر کہتے ہیں کہ جیسے وہ پڑھتے تھے میں وہی روایت کرتا، اور میں نے اُس سے اُس کی قرات حاصل کی ہے۔

۳)- ایک استاذ شیبہ بن نصاح بن سرجس بن یعقوب (م ۱۳۰ھ) مولی ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں، جن کی حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی ہے، اور اُنہوں نے بھی حضرت ابوہریرہ وابن عباس وعبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہم سے قرات حاصل کی۔

یعقوب بن جعفر بن ابی کثیر فرماتے ہیں کہ شیبہ وابوجعفر واقعہ حرہ سے پہلے مسجد نبوی میں قرآن پڑھانے والے استاذ تھے، اور فرماتے ہیں کہ شیبہ کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی ہے، اور شیبہ بتاتے تھے کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اُن کو دعا دی تھی کہ اللہ تعالی اُس کو قرآن سکھائے۔

سلیمان بن مسلم فرماتے ہیں کہ شیبہ نے بتایا کہ وہ چھوٹے تھے تو ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے گئے تھے، ام المؤمنین نے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور برکت کی دعا دی تھی۔

۴)- ایک استاذ مسلم بن جندب ہذلی رحمہ اللہ (م ۱۳۰ھ) ہیں، جو حضرت زبیر بن عوام اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت لیتے ہیں، فصیح لوگوں میں سے تھے،

جعفر بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلم بن جندب ہمیں صبح کو تیس اور شام کو تیس آیات تعلیم دیتے تھے۔

ابن ابی ذئب مسلم سے نقل کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے باہر نکلتے ہوئے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

۵)- ایک استاذ یزید بن رومان (م ۱۲۰ھ) رحمہ اللہ تھے، یہ فقہاءِ مدینہ میں سے ہیں، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے خاندان کے آزاد کردہ ہیں۔

اسماعیل بن اویس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ مجھے یزید بن رومان نے بتایا کہ اُنہوں نے عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے بھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی قرات حاصل کی ہے،

ابو جمہ محمد بن یوسف الزبدی روایت کرتے ہیں کہ ہمیں ابوقرہ نے بیان کیا کہ میں نے امام نافع سے سنا فرماتے تھے میں نے ستر تابعین سے قرآن پڑھا ہے۔

قراتِ امام نافع بن ابی نعیم صحیح ہے:

امام سعید بن منصور خراسانی فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نافع کی قرات سنّت ہے (ظاہر ہے کہ اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرات حضور ﷺ نے پڑھی ہے،)

احمد بن صالح فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن وہب سے سنا کہ نافع کی قرات سنّت ہے۔

عبدالغنی بن عبدالعزیز العسال فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن وہب سے سنا فرما رہے تھے کہ اہل مدینہ کی قرات سنّت ہے،اُن سے پوچھا گیا کہ نافع کی قرات مراد ہے؟ فرمایا ہاں،اور نافع کی قرات پر اہل مدینہ عوام وخواص کا اتفاق ہے۔

امام لیث بن سعد کہتے ہیں کہ سنہ ۱۱۰ھ کو میں نے حج کیا تو دیکھا مدینہ طیبہ میں لوگوں کے امام نافع بن ابی نعیم تھے۔

محمد بن اسحاق مسیبی فرماتے ہیں نافع کی قرات ہی ہماری قرات ہے،نافع کی وفات ۱۶۹ھ کو ہوئی،

امام ابوبکر ابن مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج تک (جب کتاب کے یہ الفاظ لکھ رہے تھے،اُس عرصہ تک)اہل مدینہ کی قرات نافع کی قرات ہے۔

امام ابوبکر ابن مجاہد نے امام نافع کے تیس سے اوپر خصوصی شاگردوں کے نام لکھے ہیں۔

اِن سب اقوال کی پوری سندیں امام ابوبکر ابن مجاہد نے لکھی ہیں،اختصار کی خاطر ہم نے آخری راوی ذکر کیے ہیں۔

امام نافع کی قرات کے مشہور راوی قالون عیسی بن مینا مدنی (م ۲۲۰ھ) اور ورش عثمان بن سعید مصری (م ۱۹۷ھ) ہیں۔

(۲)—امام عبداللہ بن کثیر مکی :

یہ امام ابومعبد عبداللہ بن کثیر مولی عمرو بن علقمہ کِنانی داری، ہیں،سنہ ۴۵ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی حکومت کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں پیدائش ہوئی،اور ہشام بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں سنہ ۱۲۰ھ کو مکہ مکرمہ میں پچھتر (۷۵) سال کی عمر میں وفات پائی۔

(الکنز فی القراآت العشر:۱/۱۱۱،۱۱۲)

قراآت میں اُن کے اساتذہ درج ذیل ہیں:

۱)- اِن کے استاذوں میں ایک حضرت مجاہد بن جبر (م ۱۰۴ھ) ہیں، اور مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قرات میں شاگرد ہیں، ابن کثیر نے مجاہد بن جبر سے قرات کے کسی بھی حصہ میں اختلاف نہیں کیا۔

۲)- اور ابن کثیر کے استاذ درباس مولی ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے حضرت ابن عباس سے پڑھا، اور انہوں نے حضرت ابی بن کعب سے پڑھا۔

۳)- علی بن عبداللہ بن السائب بھی اُن کے استاذ ہیں، اور علی بن عبداللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اور وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اور وہ نبی کریم ﷺ کے شاگرد ہیں۔

(الکنز فی القرآت العشر: ۱/۱۱۹)

امام ابوبکر ابن مجاہد فرماتے ہیں آج تک اہل مکہ کا ابن کثیر کی قرات پر اجماع ہے، ابن کثیر سنہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

امام ابن کثیر کی قرات کے راوی احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی بزہ بزی مکی مؤذن (م ۲۵۰ھ) اور محمد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن سعید مکی قُنبُل (م ۲۹۱ھ) ہیں۔

(۳)- امام ابو عمرو بن العلاء بصری:

بصرہ میں بہت سے قاری تھے، جن میں سے ایک ابوعمرو بن العلاء بن عمار بن عریان بن عبداللہ بن الحصین بن الحارث بن جلہمہ بن خزاعی بن مازن بن مالک بن عمرو بن تمیم (م ۱۵۴ھ) ہیں، تابعی ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، سنہ ۱۵۴ھ میں وفات پائی۔

(الکنز فی القراآت العشر: ۱/۱۴۰)

اُن کے بھی متعدد اساتذہ ہیں:

۱)- مجاہد بن جبر

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابوعمرو بن العلاء سے اور اُنہوں نے مجاہد سے، مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابن عباس نے حضرت ابی بن کعب سے اور ابی نے نبی کریم ﷺ سے قرات پڑھی ہے۔

۲)- سعید بن جبیر

لیث کے داماد ابوالعباس کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو سے پوچھا کہ آپ نے کس سے قرات پڑھی؟ فرمایا مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہما سے پڑھی۔

یحییٰ بن مبارک یزیدی ابوعمرو سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر نے میری قرات سنی

تو فرمایا اِسی قرات کو لازم پکڑے رہنا۔

۳)- یحییٰ بن یعمر ۴)- عبداللہ بن کثیر ۵)- حمید بن قیس

امام ابوبکر ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ ابوعمرو اپنے دور میں سب سے آگے تھے، قرات اور اُس کے وجوہ (مختلف طریقوں) کے عالم تھے، علم لغت میں پیشوا تھے، عربی میں سب کے امام تھے، لغت اور عربی کی فہم کے علم کے باوجود آثار سے حجت لیتے تھے، پہلے والے ائمہ سے جو کچھ منقول چلا آرہا تھا اُس کی مخالفت کرتے ہی نہ تھے، علم میں تواضع اختیار کرنے والے تھے، اہل حجاز سے پڑھا، اور قرات میں اُنہی کے طریقے پر چلے، ان کے دور میں سب علماء اُن کو مقدّم مانتے تھے، فضیلت کے اقراری تھے، قرات میں اُن کی اقتداء کرتے تھے۔

امام ابوعمرو کی قرات کے راوی ابوعمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز دوری نحوی بغدادی (م۲۴۶ھ) اور ابوشعیب صالح بن زیاد بن عبداللہ سوسی (م۲۶۱ھ) ہیں۔

(۴)- امام عبدالله بن عامر اليحصبی:

یہ ملکِ شام کے بڑے قاری ہیں، سنہ ۱۱ھ کے اوائل میں پیدائش ہوئی، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت دو سال کی عمر تھی، تابعی ہیں، حضرت معاویہ، مغیرہ بن شعبہ، ابوامامہ وغیرہم رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ سے روایات لیں، نو سال کی عمر میں دمشق چلے گئے، دس محرم سنہ ۱۱۸ھ کو ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں وفات پائی۔

اُنہوں نے امام مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی رحمہ اللہ سے قرات حاصل کی، اور مغیرہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سیکھی۔

عراک بن خالد بن یزید بن صالح بن صبیح المری فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن حارث ذماری سے سنا اُنہوں نے فرمایا، میں نے عبداللہ بن عامر کے پاس قرات پڑھی، اور عبداللہ نے مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی کے پاس اور مغیرہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پڑھی۔

امام ابوبکر ابن مجاہد فرماتے ہیں کہ ملک شام اور بلادِ جزیرہ کے لوگ ابن عامر کی قرات پر قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

امام ابن عامر کی قرات کے راوی ہشام بن عمار بن نصیر قاضی دمشقی (م۲۴۵ھ) اور عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان قرشی دمشقی (م۲۴۲ھ) ہیں۔

(۵)- امام عاصم بن بهدله كوفی:

یہ عاصم بن ابی النجود بھی کہلاتے ہیں، سنہ ۱۲۸ھ میں فوت ہوئے، اِنہوں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن

سلمی سے اور زر بن حبیش سے قرات حاصل کی۔

ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم نے بتایا کہ اُنہوں نے قرات ابوعبدالرحمٰن سلمی سے حاصل کی، اور ابوعبدالرحمٰن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پڑھے تھے، پھر میں ابوعبدالرحمٰن سے لوٹ کر زر بن حبیش کے سامنے قرات پیش کرتا تھا، اور زر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پڑھا تھا۔

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے ابواسحاق سبیعی سے بے شمار بار یہ کہتے سنا کہ عاصم بن ابی النجود سے بڑھ کر میں نے قرآن کا قاری نہیں دیکھا۔

یہ ابوبکر بن عیاش قرات میں امام عاصم کے شاگرد خاص ہیں، فرماتے ہیں کہ سب اہل کوفہ تو امام عاصم کی قرات سے قرآن مجید نہیں پڑھتے تھے، بلکہ اُن پر حمزہ بن حبیب زیات کی قرات غالب ہوگئی۔

امام عاصم کی قرات کے دو راوی مشہور ہیں ابوبکر شعبہ بن عیاش کوفی (م۱۹۳ھ) اور حفص بن سلیمان بن مغیرہ کوفی (م۱۸۰ھ)

(٦)-امام حمزہ بن حبیب زیات :

یہ امام حمزہ بن حبیب بن عمارہ زیات تیمی ہیں، سنہ ۸۰ھ کو پیدائش ہے، سنہ ۱۵۶ھ میں وفات پائی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی طرز پر چلتے تھے، امام حمزہ کے کئی استاذ ہیں۔

۱)-ایک تو حضرت حمزہ نے امام اعمش سے قرات پڑھی، اور اعمش تک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات پہنچی ہے۔

۲)-ابن ابی لیلیٰ بھی اُن کے استاذ ہیں، اور ابن ابی لیلی نے منہال بن عمرو سے، اور منہال سے سعید بن جبیر سے اور سعید نے حضرت ابن عباس سے اور ابن عباس نے حضرت ابی بن کعب سے، اور اُنہوں نے نبی کریم ﷺ سے قرات پڑھی ہے۔

علی بن حمزہ امام حمزہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی لیلی سے پوچھا کہ آپ نے کس سے قرات پڑھی؟ تو اُنہوں نے یہی سند جو ابھی ذکر ہوئی بیان کی۔

حسن بن محمد بن سعید بن محمد بن عمارہ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلی نے اپنے بھائی سے بھی پڑھا ہے، اور اُنہوں نے والد عبدالرحمٰن سے اور اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قرات پڑھی ہے۔

علی بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے امام حمزہ سے پوچھا کہ آپ نے کس سے قرات پڑھی؟ فرمایا ابن ابی لیلی اور حمران بن اعین سے پڑھی، میں نے پوچھا حمران نے کس سے پڑھی؟ فرمایا اُنہوں نے عبید بن نضیلہ خزاعی سے، اور عبید نے علقمہ سے اور علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے اور اُنہوں نے نبی کریم ﷺ سے پڑھی ہے۔

۳)-حسن بن محمد بن سعید بن محمد بن عمارہ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ حمزہ زیات نے حمران بن اعین سے اور حمران نے ابوالاسود دولی سے اور ابوالاسود نے حضرت علی وعثمان رضی اللہ عنہما سے قرات پڑھی ہے۔

۴)-حسن کہتے ہیں کہ حمزہ نے سلیمان نے مہران اعمش سے اور سلیمان نے یحییٰ بن وثاب سے اور یحییٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے قرات پڑھی ہے،اور یحییٰ نے زر بن حبیش سے اور زر نے حضرت علی وعثمان وابن مسعود رضی اللہ عنہم سے پڑھی ہے۔

سلیم بن عیسی کوفی کہتے ہیں کہ حمزہ نے اعمش اور ابن ابی لیلیٰ سے قرات پڑھی،اعمش کی قرات حضرت ابن مسعود کی قرات ہے،اور ابن ابی لیلی کی قرات حضرت علی کی قرات ہے۔

۵)-ایسے ہی حمزہ نے امام جعفر بن محمد صادق سے اور امام جعفر نے اپنے آباء سے اور اُن کے آباء نے اہل مدینہ سے قرات پڑھی ہے۔

شعیب بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے حمزہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے کبھی جو قرات بھی پڑھی تو وہی جو منقول ہے۔

حضرت سفیان ثوری جو حمزہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ حمزہ کو دیکھ لو،اِنہوں نے کتابُ اللہ کا جو حرف بھی پڑھا تو وہی جو منقول تھا۔

امام حمزہ کے دو راوی ہیں خلف بن ہشام بزار(م ۲۲۹ھ)اور خلاد بن خالد صیرفی کوفی(م ۲۲۰ھ)

(۷)-امام علی بن حمزہ کسائی کوفی:

امام علی بن حمزہ کسائی نحوی کوفی رحمہ اللہ(م ۱۸۹ھ)کے کئی استاذ ہیں:

۱)-امام حمزہ زیات اُن کے استاذوں میں سے ہیں،(۲)-ابن ابی لیلی (۳)-ابان بن تغلب (۴)-حجاج بن ارطاۃ(۵)-عیسی بن عمر ہمدانی۔

محمد بن سفیان امام کسائی سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا کہ میں نے کوفہ کے قراء اور فقہاء شیوخ کو پایا ہے یعنی ابن ابی لیلی،ابان بن تغلب،حجاج بن ارطاۃ،عیسی بن عمر ہمدانی اور حمزہ زیات کو پایا ہے۔

امام کسائی کے دو راوی مشہور ہیں ابوالحارث لیث بن خلد بغدادی(م ۲۴۰ھ)اور حفص دوری۔

امام ابوبکر ابن مجاہد نے **السبعة** میں بیان فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے لوگ امام نافع کی قرات،اور مکہ مکرمہ والے ابن کثیر کی قرات،اور کوفہ والے عاصم اور حمزہ اور کسائی کی قرات،اور شام کے لوگ عبداللہ بن عامر کی،اور بصرہ کے لوگ ابوعمرو بن العلاء کی قرات پر قرآن مجید پڑھتے ہیں،اور فرماتے ہیں:

فھؤلاء سبعة نفر من اھل الحجاز والعراق والشام خلفوا فی القراء ة التابعین واجمعت علی قراء تھم العوام من اھل کل مصر من ھٰذہ الامصار التی سمیت وغیرھا من

البلدان التی تقرب من ھٰذہ الامصار (السبعة فی القراآت ۸۷)

اہل حجاز وعراق وشام کے یہ سات وہ حضرات ہیں جو قرات میں تابعین کے نائب بنے، اور جن شہروں کے میں نے نام لئے اور جو اِن شہروں کے قریب قریب ہیں وہ سب کے سب اِن سات حضرات کی قراآت پر متفق ہیں۔

بندہ نے اس موضوع سے متعلق امام ابوبکر ابن مجاہد رحمہ اللہ کی کتاب **"السبعة فی القراآت"** سے بہت کچھ لیا ہے، یہ کتاب شوقی ضیف کی تحقیق کے ساتھ دار المعارف مصر سے سنہ ۱۴۰۰ھ میں چھپی ہے، طبع ثانی ہے۔

(۸)-ابو جعفر یزید بن القعقاع :

یہ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رحمہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں، مسجد نبوی میں پڑھانے والے سب سے بڑھیا قاری تھے، سنہ ۱۲۸ھ کو فوت ہوئے (دوسرے اقوال بھی ہیں) تابعی ہیں، اپنے مولی عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے اور حضرت ابن عباس وابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرہ، وجابر بن عبداللہ وزید بن اسلم رضی اللہ عنہم سے روایات سنی ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کی امامت میں نماز پڑھی، امام مالک بن انس فقیہ محدث المدینہ اور امام نافع قاری ءالمدینہ کے استاذوں میں سے ہیں۔

امام ابوجعفر کی قرات کے دو راوی مشہور ہیں، عیسی بن وردان مدنی (م فی حدود ۱۶۰ھ) اور سلیمان بن مسلم بن جماز مدنی (م ۱۷۰ھ کے ذرا بعد)

(۹)-یعقوب بن اسحاق حضرمی :

پورا نام یعقوب بن اسحاق بن زید بن عبداللہ بن اسحاق ہے، بصرہ کے رہائشی تھے، سنہ ۲۰۵ھ میں وفات پائی، لغت عربی کے بہت علم رکھنے والے، قرات کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔

اِن کے استاذ (۱)- ابوالمنذر رسلام بن سلیمان الطّویل خراسانی (م ۱۷۱ھ) ہیں، ڈیڑھ سال اُن کے پاس پڑھتے رہے، اور (۲)-مسلمہ بن محارب (۳)-شہاب بن شرنفہ مجاشعی (م ۱۶۲ھ) (۴)-ابو یحیٰی مہدی بن میمون (م ۱۷۱ھ) (۵)- بوالاشہب جعفر بن حبان العطاردی (م ۱۶۵ھ) (۶)- ابن محیصن (۷)-یونس بن عبید (۸)-مجاہد (۹)-شعیب بن الحجاب (۱۰)-حمزہ (۱۱)-اور کسائی ہیں، ذی الحجہ سنہ ۲۰۵ھ میں وفات پائی۔

یعقوب کی قرات کے دو راوی مشہور ہیں ، رویس عبداللہ بن محمد بن المتوکل لولوی بصری (م ۲۳۸ھ) اور روح بن عبدالمؤمن بصری نحوی (م ۲۳۴ھ، ۲۳۵ھ)

(۱۰)-خلف بن ھشام :

یہ ابومحمد خلف بن ہشام بن ثعلب البز ارازدی بغدادی ہیں،سنہ ۱۵۰ھ کو پیدائش ہوئی،سنہ ۲۲۹ھ کوفوت ہوئے،دس سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگئے،تیرہ سال کی عمر میں مزید علوم حاصل کرنا شروع ہوئے،امام مالک بن انس،ابوعوانہ،اُن کے حدیث کے اساتذہ میں سے ہیں،امام مسلم،ابوداؤد،ابوزرعہ، عبداللہ بن احمد بن حنبل،ابن ابی خیثمہ،ابراہیم حربی،وغیرہم رحمہم اللہ جیسے محدثین اُن کے شاگرد ہیں۔

اِن کے قرات کے استاذوں میں سلیم بن عیسی ،ابوبکر بن عیاش ،ابوزید سعید بن اوس انصاری، ابان العطار،یحییٰ بن آدم،اسحاق مسیبی رحمہم اللہ ہیں۔

اِن کی قرات کے خصوصی راوی دو ہیں،اسحاق بن ابراہیم بن عثمان بغدادی (م ۲۸۶ھ) ادریس بن عبدالکریم بغدادی (م ۲۹۲ھ) ہیں۔

دس قراآت متواتر ہیں:

علامہ محمد بن محمد محبّ الدین نویری (م ۸۵۷ھ) امام شمس الدین جزری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں

الذی وصل الینامتواتراًصحیحاًمقطوعاًبہٖ قرأۃ الائمۃ العشرۃ ورواتھم المشھورین. (شرح طیبۃ النشر:۱/۱۲۷)

جوہم تک متواتر صحیح قطعی (یقینی) طریقے سے پہنچی وہ دس قراء ائمہ اوران کے مشہور راویوں کی قرات ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرأت بعضے متواتراندوبعضے احادچنانکہ احادیث متواتربریں ھفت قرات است کہ میخوانندوبعضے دردہ قرات ادعائے تواترکنند وتخصیص ھرقراتی بقاری مخصوص بجھت اختیارواعتباراوست آنراواِلاھمہ راست.

(اشعۃ اللمعات:۲/۱۶۷،۱۶۸،طبع کوئٹہ)

بعض قرائتیں متواتر اور بعض احاد ہیں جیسا کہ متواتر احادیث اِن سات قرءتوں پر ہیں جو پڑھتے ہیں،اور بعض دس کے متواتر ہونے کا دعوی کرتے ہیں،اور ہر قرات کی کسی قاری سے تخصیص اُس کے اُس کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے ورنہ سب قراءتیں درست ہیں۔

امام محمد بن عبدالعظیم زرقانی (م ۱۳۶۷ھ) فرماتے ہیں:

ان القرأت کلھاعلی اختلافھاکلام اللہ لامدخل لبشرفیھابل کلھامنزلۃ من عندہ تعالی مأخوذبالتلقی عن رسول اللہ ﷺ.(مناھل االعرفان:۱/۱۵۰)

سب قرائتیں اپنے اختلاف کے باوجود اللہ کا کلام ہیں ان میں کسی انسان کا دخل نہیں ، بلکہ ساری اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ اور رسول اللہ ﷺ سے حاصل کردہ ہیں۔

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لتواتر القراأت کلھا(تفسیر نیشاپوری:۴۱/۴) سب قرائتیں متواتر ہیں۔

علامہ محمد سالم (م۱۴۲۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وصلت ھٰذہ القراأت الی الائمۃ العشرۃ ورواتھم بطریق التواتر والسندالصحیح.(الھادی شرح طیبۃ النشر ۱/ ۲۶)

یہ قرائتیں دس ائمہ اوران کے راویوں تک تواتر سے اور صحیح سند سے پہنچی ہیں:

امام محمد بن الجزری (م۸۳۳ھ) امام کبیر ابوشامہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں

قال الامام الکبیرابوشامۃ فی مرشدہٖ وقدشاع علی السنۃ جماعۃ من المقرئین المتأخرین وغیرھم من المقلدین ان القراأت السبع کلھا متواترۃ ای کل فردفردماروی عن ھؤلاء الائمۃ السبعۃ قالوا والقطع بانھامنزلۃ من عنداللہ واجب ونحن بھذانقول.

(النشرفی القراأت العشر:۱۳/۱)

متأخرین قراء حضرات اوردوسرے مقلدین سے یہ بات عام ہوچکی ہے کہ سات قراأت سب متواتر ہیں یعنی ہرایک جوسات قراء سے نقل ہوئی وہ متواتر ہے،اور کہتے ہیں کہ یہ یقین کرنا کہ وہ اللہ تعالی کے پاس سے نازل ہوئیں واجب ہے،ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام عبدالوہاب بن السبکی شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

القراأت السبع التی اقتصرعلیھاالشاطبی والثلاث التی ھی قراءۃ ابی جعفروقراءۃ یعقوب وقراءۃ خلف متواترۃ معلومۃ من الدین بالضرورۃ وکل حرف انفردبہ واحدمن العشرۃ معلوم من الدین بالضرورۃ انہ منزل علی رسول اللہ ﷺ لایکابرفی شیء من ذالک الاجاھل. (النشر ۱ / ۴۶)

سات قرائتیں جن پرامام شاطبی نے اکتفاء کیااورمزیدتین قرائتیں یعنی ابوجعفراوریعقوب اورخلف کی قرائتیں متواتر ہیں اورضروریات دین میں سے ہیں اورمعلوم ہیں اور ہروہ حرف (طریقہ قرات) جس میں دس میں سے کوئی قاری اکیلا ہے وہ بھی معلوم اورضروریات دین سے ہے،اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ پرنازل ہواہے،ان میں سے کسی کے متعلق جاہل ہی انکار کرے گا۔

یہ چندحوالے ہیں ،مزیدبھی تلاش کر کے لکھے جاسکتے ہیں ،دیکھیے کیا یہ اسلاف صرف روایتِ حفص کومتواتر مانتے ہیں،یا سب قراآت کومتواتر مانتے ہیں؟

تواتر پر اشکال:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’اِن میں سے بعض کو لوگ متواتر کہتے ہیں، دراں حالیکہ ان کی جو سندیں کتابوں میں موجود ہیں، اُنہیں دیکھنے کے بعد اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ محض اخبارِ آحاد ہیں، جن میں سے اکثر کے راوی ائمہ رجال کے نزدیک مجروح ہیں، چنانچہ قرآنِ متواتر تو ایک طرف اِنہیں کوئی صاحبِ نظر حدیث کی حیثیت سے آسانی کے ساتھ قبول نہیں کرسکتا۔‘‘ (میزان:۳۲)

جواب: اوّل: ابھی علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ قرآت عشرہ متواتر ہیں، تو جو مضمون تواتر سے ثابت ہو اُس کی سندوں اور راویوں پر بحث کرنے کی نہ ضرورت ہے، نہ درست ہے، اگر آپ نے محدثین کا اِس بارے میں اصول نہیں پڑھا تو لیجیے ہم چند حوالوں کے ذریعے آپ کو پڑھوا دیتے ہیں۔

متواتر مضمون کی سندوں اور راویوں پر بحث درست نہیں:

(۱)- علامہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی شافعی (م۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

فان المتواتر لایشترط فی اخباره العدالة کماتقرر فی علم الاصول (النکت علی مقدمة ابن الصلاح: ۱/۳۲۲) متواتر خبروں سے متعلق راوی کی عدالت شرط ہی نہیں ہے، جیسا کہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہے۔

(۲)- ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

لان المتواتر لایسألُ عن احوال رجالہٖ ،ان المتواتر لایبحث فیه عن رجاله (شرح نخبة الفکر :۱۶۱،۱۷۲،۱۸۶) متواتر کے راویوں سے متعلق تحقیق نہیں کی جاتی، اُس کے راویوں سے متعلق بحث نہیں کی جاتی۔

(۳)- علامہ عبدالرؤف مناوی مصری رحمہ اللہ (م۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں:

والمتواتر لایبحث عن رجاله بل یجب العمل به من غیر بحث (الیواقیت والدرر شرح نخبة الفکر ۱/۲۶۰) متواتر کے راویوں سے متعلق بحث نہیں کی جاتی، بلکہ بغیر بحث اُس پر عمل لازم ہوتا ہے۔

(۴)- علامہ طاہر بن صالح جزائری (م۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

ان المتواتر لا یبحث فِیهِ عن رواته وصفاتهم علی الوجه الذِی یجرِی فِی اخبار الآحاد(توجیه النظر ۱/۱۳۹) متواتر کے راویوں اور اُن کی صفات سے متعلق اِس طرح بحث نہیں کی

جاتی، جس طرح اخبار آحاد میں بحث ہوتی ہے۔

(۵)-علامہ محمود بن احمد طحان نعیمی شامی فرماتے ہیں:

لذلک کان المتواتر کله مقبولا، ولا حاجة الی البحث عن احوال رواته (تیسیر مصطلح الحدیث ۲۵/۱) اس لئے متواتر سب مقبول ہیں، اور اس کے راویوں کے حالات سے بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

(۶)-علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

والمتواتر لا یبحث عن رجاله بل یجب العمل به من غیر بحث (نزهة النظر ۴۲) متواتر کے راویوں سے متعلق بحث نہیں کی جاتی، بلکہ بغیر بحث کیے اُس پر عمل لازم ہوتا ہے۔

(۷)-علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

وکلها سوی المتواتر آحاد وفیها المقبول وهو مارجح صدق المخبر به والمردود وهو مارجح کذب المخبر به وما یتوقف فی قبوله ورده لتوقف الاستدلال به علی البحث عن احوال رواته بخلاف المتواتر فکله مقبول (قواعد فی علوم الحدیث مع اعلاء السنن فی آخره صفحه ۸۸۶۵) متواتر کے سوا سب آحاد ہیں، جن میں کوئی مقبول ہوتی ہے، اور یہ وہ ہے جس میں خبر دی ہوئی بات کا سچا ہونا راجح ہو، اور کوئی مردود ہوتی ہے، وہ جس میں خبر دی ہوئی بات کا جھوٹا ہونا راجح ہو، اور کسی کے رد وقبول میں توقف ہوتا ہے، کیوں کہ اُس سے استدلال اُس کے راویوں کے حالات کے متعلق بحث پر موقوف ہوتا ہے، لیکن متواتر سب کی سب مقبول ہوتی ہیں۔

(۸)-علامہ برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی دمشقی رحمہ اللہ (م۸۸۰ھ) فرماتے ہیں:

والمتواتر مقطوع بقبوله غیر مبحوث عن رواته من جهة روایتهم (النکت الوفیة بمافی شرح الالفیة ۴۵۹/۲) متواتر قطعی طور پر قبول ہے، اُس کے راویوں سے متعلق اُن کی روایت کے اعتبار سے بحث نہیں کی جائے گی۔

تو جب قراآت عشرہ متواتر ہیں، اور متواتر کے راویوں سے متعلق بحث درست نہیں، تو چاہے کوئی راوی متکلم فیہ ہو بھی تو کیا حرج ہے؟ آپ کا دل نہ مانے تو نہ مانے، دوسروں کو تو غلط راستے پر نہ لگائیں، سب اسلاف نے اِن قراآت عشرہ کو قبول کیا ہے، اور ایسی چیز بھی قابلِ رد نہیں ہوتی جس کو اسلاف واخلاف سب نے قبول کر لیا ہو۔

ثانی: کتابوں میں جو سندیں لکھی گئی ہیں، وہ تو چند ہیں، یعنی جو حضرات صاحبِ تصنیف ہوئے اُنہوں نے سندیں لکھ دی ہیں، لیکن وہ کُل سندیں نہیں ہیں، بہت سی سندیں وہ ہیں جو نہیں لکھی گئیں، کیوں کہ

جو عملاً یا قولاً سب نے قبول کرلیا ہو ایسے کی سندات کا التزام کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

ثالث: روایتِ حفص کو تو آپ بھی اپنے مُلک میں عام ہونے کے سبب قبول کررہے ہیں، یقیناً آپ کے علم میں ہوگا کہ روایتِ حفص کی بھی ایسی متواتر سندات لکھی ہوئی نہیں ہیں جو آپ کو مطلوب ہیں، اُس کی سندات پر توجہ کریں تو وہ بھی آحاد معلوم ہوں گی،تو پھر آپ نے اُس کو کیوں قبول کرلیا ہے،اور دوسری قراآت کو کیوں قبول نہیں کررہے ہے؟ اگر بالفرض باقی نو قراء کی قراآت متواتر نہیں ہیں،تو امام حفص کی قرات کی متواتر اسانید پیش کرنے کی تکلیف کیجیئے ،تا کہ اِس کا تواتر ثابت ہو،اور جس طریقے پر اِس کا تواتر ثابت ہوگا اُسی طریقے پر باقیوں کا تواتر ثابت ہوجائے گا۔

رابع: اگر راویوں پر بحث کرنی ہی ہے تو جس روایتِ حفص کو آپ قبول کررہے ہیں،اُس کے راوی امام عاصم بن بہدلہ پر بھی جرح ہوئی ہے،ابن سعد کہتے ہیں ثقہ تو ہے لیکن حدیث میں کثرت سے غلطی کرنے والا ہے،یعقوب بن سفیان کہتے ہیں ثقہ تو ہے لیکن اُس کی حدیث میں اضطراب ہے،ابوزرعہ کہتے ہیں جس کا نام بھی عاصم تھا وہ کمزور حافظہ والا تھا،ابن خراش کہتے ہیں اس کی حدیث میں نکارت ہے،عقیلی کہتے ہیں اس میں حافظہ کی خرابی ہے،دارقطنی کہتے ہیں اس کے حافظہ میں نقص ہے(تہذیب التہذیب ۴۶۶/۳ ، ۴۶۷) یحيٰی بن سعید قطان کہتے ہیں جو بھی عاصم نام کا تھا میں نے اُس کو حافظہ کا ردی پایا،نسائی کہتے ہیں یاد رکھ سکنے والا نہیں ہے۔(میزان الاعتدال:۳۵۷/۲)

اور عاصم سے اُس کو حفص روایت کررہے ہیں،اور حفص پر بھی جرح ہوئی ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں حفص متروک الحدیث ہے،ابن مدینی کہتے ہیں حدیث میں ضعیف ہے، بخاری کہتے ہیں محدثین نے اِس کو چھوڑ دیا،مسلم کہتے ہیں متروک ہے،نسائی کہتے ہیں نہ تو ثقہ ہے،نہ اِس کی حدیث لکھی جائے ،صالح بن محمد کہتے ہیں اِس کی حدیث نہ لکھی جائے اور اِس کی سب روایات منکر(اوپری) ہیں،ساجی کہتے ہیں سماک وغیرہ سے باطل روایتیں بیان کرتا ہے،ابن ابی حاتم کہتے ہیں اِس کی حدیث نہ لکھی جائے ،نہ اِس کو سچا مانا جائے ،متروک الحدیث ہے،ابن خراش کہتے ہیں جھوٹا ہے،متروک ہے،حدیث گھڑتا ہے،ابواحمد حاکم کہتے ہیں حدیث میں گیا گذرا ہے،ابن معین کہتے ہیں حفص کذاب تھا،ابن حبان کہتے ہیں سندوں کو بدل دیتا تھا،مرسل روایات مرفوع بنا دیتا تھا۔(تہذیب التہذیب:۲۴۶،۲۴۷)

تو اِس قرات والے قرآن کے راوی بھی مجروح ہوئے ، پھر اُس پر ہونے والی جرح سے جناب نے کیوں توجہ ہٹا رکھی ہے؟ اور اِس روایت کے قرآن کو کیوں قبول کرلیا ہے؟ یاد رہے کہ اِن دو حضرات پر جرح کا ذکر ہم نے غامدی صاحب کی منطق پر کیا ہے،کسی کو غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔

غامدی صاحب کہتے ہیں:

’’یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرات ہے، جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے، اس کے علاوہ اس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اُنہی فتنوں کے باقیات ہیں جن کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ افسوس ہے کہ محفوظ نہیں رہ سکا۔‘‘ (میزان:۳۲)

جی نہیں! یہ بالکل قطعی بات نہیں ہے کہ صرف ایک قرات ہے، بلکہ قطعی بات یہ ہے کہ باقی نو قرائتیں بھی ہیں جن پر حدیث ہی کی طرح زبانی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے خیرالقرون دور میں محنت کی گئی، اور تحریری طور پر دوسری تیسری صدی میں محنتیں ہوئی ہیں، اُس کے بعد تو اہل علم کی محنتوں کی کوئی حد نہ رہی، مگر جناب کا قارورہ منکرینِ حدیث سے ملتا ہے، اس لیے آپ کے خیال میں نہ مجموعہ احادیث قابلِ تسلی ہے، نہ مجموعہ قراآت، نہ مجموعہائے مسائل فقہیہ، اس لیے فقہاء اربعہ کے اجماعی مسائل تک سے جناب اختلاف کرنے کی جرأت کرتے ہیں، بلکہ گذشتہ کُل صدیوں سے اتفاق و اجماع کے ساتھ متفقہ مسلّمہ مسائل و عقائد سے آپ کو اختلاف ہے۔

پہلے بیان ہو گیا ہے کہ امام ابوبکر ابن مجاہد نے جنہوں نے دوسری اور تیسری صدی پائی، اُنہوں نے اپنے دور والے لوگوں سے متعلق کتاب **السبعة** میں بیان فرمایا کہ:

’’مدینہ طیبہ کے لوگ امام نافع کی قرات پر، اور مکہ مکرمہ والے ابن کثیر کی قرات پر، اور کوفہ والے عاصم اور حمزہ اور کسائی کی قرات پر، اور شام کے لوگ عبداللہ بن عامر کی قرات پر، اور بصرہ کے لوگ ابوعمرو بن العلاء کی قرات پر قرآن مجید پڑھتے ہیں۔‘‘

تو سوائے اِس کے اِس کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ اُس دور میں یہ سب قراآت متواتر تھیں اور اِن کو قرآن سمجھا جاتا تھا، اور اِن کے مطابق تلاوت کی جاتی تھی؟ اب صدیوں بعد جناب جیسے کئی لوگ پیدا ہو گئے جن کی نظر میں متواترات بھی مشکوک دکھائی دینے لگے، اگر اِس طرح کی تحقیقات کا دروازہ کھول کر متواترات کو متنازع فیہا بنایا جائے تو سارا دین مشکوک ہو جائے گا، اور یہ ایک سازش لگتی ہے تاکہ مسلمانوں کا ایمان متزلزل کیا جائے، اور اُنہیں اپنے دین پر اور دینی احکام و مسائل پر اور اسلامی نظریات پر یقین نہ رہ جائے، حالاں کہ دین کی ثابت متواتر باتوں پر یقین باقی نہ رہنے سے ایمان رخصت ہو جائے گا، گویا خفیہ طریقے سے ارتداد کا راستہ کھولا جا رہا ہے، تاکہ دجالی گروہ کو مستقبل میں افرادی قوت خوب میسّر ہو جائے، **اعاذنا اللہ من جمیع الفتن** ۔ (جاری ہے۔۔۔) ☆☆

مولانا مفتی محمد طارق محمود [مدرس و معین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور]

دعوت الی اللہ کے فضائل وآداب

دعوت الی اللہ کا لفظ اپنے اصلی مفہوم میں بہت وسعت رکھتا ہے، اور یہ کام کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے۔ زیر نظر مضمون میں اس کے عمومی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے فضائل وآداب ذکر کیے گئے ہیں۔ مضمون کے ذیلی موضوعات کی فہرست شروع میں بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تا کہ پڑھنے والے احباب کو تفصیل سے پہلے خلاصہ معلوم ہو جائے۔

۱-داعی الی اللہ ہونا نبی اکرم ﷺ کی شان۔

۲-اپنے آپ کو پورا مسلمان بنالینا بھی دین کی بہت بڑی اور بہت ضروری دعوت ہے۔

۳-دعوت الی اللہ کی دو قسمیں: دعوت خاصہ اور دعوت عامہ۔

۴-داعی کی دو قسمیں: واعظ، مناظر۔

۵-تبلیغ کے دو درجے: واجب، مستحب۔

۶-دعوت الی اللہ کے تین بنیادی ارکان: حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال بالاحسن۔

۷-داعی کو دو باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے: نیک اعمال، برائی کے جواب میں بھلائی۔

۸-داعی کو شفقت اور تحمل کی ضرورت۔

۹-خطاب عام: وعظ کہنے کی اہمیت۔

۱۰-وعظ میں کیا مضمون بیان کیا جائے، کس انداز سے بات کہی جائے اور کب بیان کیا جائے؟

۱۱-واعظ کے تقوی اور ہدایت کی تڑپ سے وعظ میں اثر آتا ہے۔

۱۲-داعی کو غیر اللہ کا خوف عقلی نہ ہونا چاہیے۔

۱۳-وعظ میں فقہی مسائل بیان کرنا مناسب نہیں۔

۱۴-وعظ کے بعد سوال جواب کی نشست مناسب نہیں۔

۱۵-دین پھیلانے کے لیے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں۔

۱۶-داعی کے ذمے صرف پہنچانا ہے، نہ کہ منوانا۔

۱۷-دوسروں کی ہدایت اور اصلاح کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں۔

۱۸-علماء کے کسی جائز کام سے اگر عوام کے ناجائز کام میں پڑنے کا اندیشہ ہو؟

۱۹-انبیاء پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے، برخلاف علماء کے۔

۲۰-مخلوق سے تعلق بذات خود مقصود نہیں۔

۲۱-نفع تام افضل ہے نفع عام سے۔

۲۲-نفع لازمی اور متعدی میں سے افضل کونسا ہے؟

۲۳-لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو اور تبلیغ کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو تو؟

۲۴-اس زمانے میں غیر مسلموں کو تبلیغ کا حکم؟

۲۵-عوام اور علماء کی ذمہ داری آدھی آدھی ہے۔

۲۶-جس فتنے کو دفع کرنا قدرت سے باہر ہو اس کی مدافعت نہیں کرنی چاہیے۔

۲۷-جسے ہدایت کی طلب نہ ہو اسے ہدایت نہیں ملتی۔

۲۸-ضروری نہیں کہ جس سے دین کی خدمت لی جائے وہ عنداللہ مقبول ہو۔

۲۹-ہر شخص اپنی قابلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے دعوت سے نفع اٹھاتا ہے۔

(ا)-داعی الی اللہ ہونا نبی اکرم ﷺ کی شان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یاایھاالنبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا.وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا.** (احزاب:۴۵،۴۶) اے نبی ﷺ (آپ چند ایک اعتراض کرنے والوں کے طعن سے غمگین نہ ہوں، اگر یہ بے وقوف آپ کو نہ جانیں تو کیا ہوا؟ ہم نے تو ان بڑی بڑی نعمتوں اور رحمتوں کا جو کہ خطاب مومنین میں مذکور ہوئی ہیں آپ ہی کو واسطہ بنایا ہے۔اور آپ کے مخالفین کی سزا کے لیے خود آپ کا بیان کافی قرار دیا گیا ہے کہ ان کے مقابلے میں آپ سے ثبوت نہ لیا جائے گا۔پس اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہمارے نزدیک کس درجہ مقبول ومحبوب ہیں۔چنانچہ) ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (قیامت کے دن امت کے اعتبار سے خود شاہی) گواہ ہوں گے (کہ آپ کے بیان کے موافق ان کا فیصلہ ہوگا۔

کما قال: **انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم** (مزمل:۱۵)اور ظاہر ہے کہ خود صاحب معاملہ کو دوسرے فریق اہل معاملہ کے مقابلہ میں گواہ قرار دینا اعلیٰ درجہ کا اکرام اور شان کی بلندی ہے۔یہ شان کی بلندی قیامت کے دن ظاہر ہوگی) اور (دنیا میں جو آپ کی صفات کمال ظاہر ہیں وہ یہ ہیں کہ) آپ (مومنین کے) خوشخبری دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور (عام طور پر

سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ (اور یہ خوشخبری دینا اور ڈرانا اور دعوت دینا تو تبلیغ کے طور پر ہے) اور (یوں خود اپنی ذات وصفات وکمالات وعبادات وعادات وغیرہا مجموعی حالات کے اعتبار سے) آپ (سراپا نمونہ ہدایت ہونے میں) ایک روشن چراغ (کی طرح) ہیں۔ (کہ آپ کی ہر حالت طالبانِ انوار کے لیے سرمایہ ہدایت ہے۔ پس قیامت میں ان مومنین پر جو کچھ رحمت ہوگی وہ آپ ہی کی ان صفات بشیر ونذیر وداعی وسراج منیر کے واسطہ سے ہے۔ پس آپ اس غم وپریشانی کو الگ کیجیے)۔

(بیان القرآن: ۱۶۶۴/۳ بتسہیل، البشری، کراچی، ط: ۱۴۴۰ھ/۲۰۱۹ء)

(۲)- اپنے آپ کو پورا مسلمان بنالینا بھی دین کی بہت بڑی اور بہت ضروری دعوت ہے:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (متوفی: ۱۳۷۷ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: اسلام صرف نام لینے کی چیز نہیں، عمل کرنے کی چیز ہے۔ اسلام پر عمل کیجیے۔ اسلام بھی محفوظ رہے گا اور آپ بھی زندہ ہوجائیں گے۔ (خطبات صدارت: ۴۹۹، ادارہ نشر واشاعت، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ، ط: ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء)

اسلام کی حفاظت ایک اندرونی ہے، ایک بیرونی ہے۔ اور زیادہ اہم اول ہے۔ اگر ہم اس کا اہتمام کرلیں تو اغیار خود پست ہوجائیں۔ خدا کی قسم اگر ہمارا اسلام کامل ہوتا (اعمال ٹھیک ہوتے)، تو کسی کو کبھی ہمت بھی نہ ہوتی کسی مسلمان کی طرف نظر اٹھانے کی۔ کبھی اس کا وسوسہ بھی ان کے دل میں نہ آتا۔

(خطبات حکیم الامت: ۳۱/۱۲ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۳۰ھ)

یہی بڑی زبردست تبلیغ ہے کہ انسان خود عامل ہو۔ (دین پر پوری طرح عمل کرنے والا ہو)۔ اور دوسروں کو کہنا اور خود عمل نہ کرنا یہی کمزوری کی بات ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۳۰۹/۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

آج کل یہ مرض بھی عام ہوگیا ہے کہ اکثر لوگ دوسروں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، اپنی بالکل فکر نہیں۔ ہر شخص اپنی فکر میں لگے تو بہت جلد سب کی اصلاح ہوجائے اور بہت سی فضولیات سے نجات سے ہوجائے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۳۳۲/۶، ملخصاً بتسہیل)

اسلام کو ظاہری قوت کی ضرورت نہیں۔ اسلام روپیہ پیسہ کا محتاج نہیں۔ اسلام کی اشاعت وترقی کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو ہر شخص اپنے اعمال کو ٹھیک کرلے۔ پورا متبع شریعت بن جائے۔ اور اعمال میں اتفاق بھی آگیا۔ اور دوسرے یہ کہ غیر قوموں کے کانوں میں اس کی خوبیاں ڈالتا رہے۔ لڑائی جھگڑا نہ کرے۔ نرمی سے ان کو سمجھاتا رہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۵۱/۱۲)

ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اندر دو چیزیں کسی بزرگ کی خدمت میں رہ کر پیدا کرلے۔ اس کے بعد جو

بھی خدمت اسلام کی کرے گا وہ مکمل ہوگی۔اللہ تعالی کی محبت اوران کی خشیت۔بس دونوں کے مجموعے سے عمل مکمل ہوجائے گا۔(ملفوظات حکیم الامت:۱۴/۵۱ ملخصا،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۳۰ھ)

صحبت میں رہ کر دین آتا ہے۔میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا۔ضابطہ کا دین تو کتاب سے آسکتا ہے،مگر حقیقی دین بلا کسی کے جوتے سیدھے کیے،بلکہ جوتے کھائے نہیں آسکتا۔دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا،دین انہی نخروں سے آتا ہے۔اب جس کا جی چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے۔اکبر ایک اچھے شاعر تھے۔ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے۔ان کا مصرع ہے ؎: دیں ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔یہ بات بالکل سچ ہے۔(خطبات حکیم الامت:۱۱/۳۳۲،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۸ھ)

پس داعی کی اپنی شخصیت کی تعمیر ہوگی تو وہ دوسروں تک صحیح طرح دین کا پیغام پہنچا سکے گا۔لہٰذا دوسروں کی خیرخواہی کے ساتھ اپنی اصلاح کی فکر رکھنا بھی لازم ہے۔

(۳)-دعوت الی اللہ کی دو قسمیں ہیں: دعوت خاصہ،دعوت عامہ:

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير (آل عمران:۱۰۴) اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف۔(موضح فرقان:۸۱) (اس آیت) سے معلوم ہوا کہ دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ ایک خاص جماعت کا کام ہے،ساری امت کا نہیں۔**قل هذه سبيلي ادعو الى الله على بصيرة انا ومن اتبعني** (یوسف:۱۰۸) کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے۔(موضح فرقان:۳۲۸)

(اس آیت) میں **من اتبعني** کے عموم سے معلوم ہوا کہ (دعوت الی اللہ) سب امتیوں کا کام ہے۔اس عموم اور خصوص سے معلوم ہوا کہ اس کے دو درجے ہیں۔ایک کا پہلی آیت میں ذکر ہے اور ایک کا دوسری آیت میں۔ایک دعوت خاصہ ہے اور ایک دعوت عامہ۔دعوت خاصہ تو ہر مسلمان کے ذمے ہے۔یعنی جس میں خطاب خاص ہو اپنے اہل وعیال کو،دوست احباب کو اور جہاں جہاں قدرت ہو اور خود اپنے نفس کو بھی۔چنانچہ (حدیث) **كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته.** (صحیح بخاری:۸۹۳رفواد)(تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے،اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا)

اور آیت **يا ايها الذين آمنوا قوا انفسكم واهليكم نارا** (تحریم:۶)(اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے۔موضح فرقان:۷۴۳) میں دعوت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔سو اس کا ہر شخص اپنے گھر میں اور تعلقات کے محل میں اہتمام کرے۔دعوت عامہ جس میں خطاب عام ہو،(یعنی وعظ اور بیان ہو)،یہ کام ہے صرف مقتداؤں کا۔دعوت عامہ میں داعی کو مقتدا ہونا چاہیے۔یعنی مخاطبین کے

دل میں اس کی وقعت ہونی چاہیے۔ ورنہ وعظ مؤثر نہ ہوگا۔ مقتدا کے لیے عالم ہونا بھی لازم ہے۔
(خطبات حکیم الامت: ۱۳ر۴۷-۴۹ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۷ھ)

(۴)-داعی کی دو قسمیں: واعظ، مناظر:

داعی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو جواب تحقیقی سے دعوت کرسکتا ہے۔ اور ایک وہ جو جواب الزامی سے دعوت کرسکتا ہے۔ جواب تحقیقی کے معنی یہ ہیں کہ جو پوچھا گیا اس کی حقیقت واضح کردی۔ جواب الزامی کے معنی یہ ہیں جیسا اعتراض ہم پر کسی نے کیا اس کے جواب میں ویسا اعتراض اس کے مذہب پر کرکے کہا: **فماهو جوابكم فهو جوابنا**۔ (جو تمہارا جواب وہی ہمارا جواب)۔ جواب تحقیقی کے لیے اپنے مذہب پر پورا عبور ہونے کی ضرورت ہے۔ دوسرے کے مذہب پر پوری نظر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جواب الزامی کے لیے اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے کے مذہب پر بھی پوری نظر ضروری ہے۔ تو اس بناء پر داعین کی دو جماعتیں ہوئیں۔ واعظین جو اپنے مذہب والوں کو تحقیقی جواب سے متنبہ کیا کریں۔ مناظرین جو جواب الزامی سے مخالفین کو ساکت کریں۔ (خطبات حکیم الامت: ۱۳ر۵۱، ۵۲ ملخصا)

(۵)-تبلیغ کے دو درجے: واجب اور مستحب:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہیں واجب ہوتا ہے۔ جہاں فاعل بے خبر ہو یا فاعل پر پوری قدرت ہو یا قبول کی پوری توقع ہو، ورنہ مستحب ہے۔ منجملہ اس کے آداب کے یہ ہے کہ اول خلوت میں کہے اور نرمی سے کہے۔ اس کے بعد اگر مصلحت ہو علانیہ کہے اور سختی سے کہے ورنہ اعراض کرے اور دعا کرے۔ (اصلاح انقلاب امت: ۱ر۲۶، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بیان القرآن: ۱ر۳۱۸، ۳۱۹، الفتاویٰ الہندیۃ: ۵ر۳۵۲، ۳۵۳، رشیدیہ، کوئٹہ، ط: ۱۴۰۶ھ ر۱۹۸۶ء، الدر المختار مع رد المحتار: ۱ر۳۵۰، دارالفکر، بیروت، ط: ۱۴۱۲ھ ر۱۹۹۲ء، خطبات حکیم الامت: ۱۱ر۶۸، ۶۹)

جہاں تبلیغ ہوچکی ہو وہاں تبلیغ کرنا ایک مستحب عمل ہے، اور جہاں تبلیغ نہ ہوئی ہو وہاں فرض ہے۔ پہلے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ پیر جیوں کے متعلق وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آخر میں آکر جب تبلیغ ہوچکی وعظ فرمانا بند کردیا تھا۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۷ر۹۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، وذلک اضعف الایمان**۔ (صحیح مسلم: ۴۹ رفؤاد) جو تم میں سے برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹادے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے (مٹادے)، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے مٹادے۔ اور یہ ایمان (کا) کمزور ترین (کام) ہے۔ **الامـــــــر**

بالمعروف باليد على الامراء ، وباللسان على العلماء ، وبالقلب لعوام الناس وهو اختيار الزندويسي كذا في الظهيرية . (الفتاوی الہندیۃ: ۵/۳۵۳، ومثلہ فی البحر الرائق: ۸/۲۱۵، دار الکتاب الاسلامی ، دون التاریخ ، وفی الہدایۃ: ۴/۳۰۷، دار احیاء التراث لعربی ، بیروت ط: دون التاریخ ، وفی فتح الملہم: ۱/۲۰۴، ۲۰۵، داراحیاءالتراث العربی، بیروت، ط: ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۶ء)

ہاتھ سے امر بالمعروف حکمرانوں کے ذمے ہے، اور زبان سے علماء کے ذمے اور دل سے عوام کے لیے۔ یہ اس لیے ہے کہ قدرت عموماً اسی طرح پائی جاتی ہے۔ اس حدیث کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: مرقاۃ المفاتیح: ۶/۲۳۷۹، ۸/۳۲۰۸، ۳۲۰۹، دار الفکر، بیروت، ط: ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء)

یہاں فعل کو برا فرمایا ہے، نہ کہ فاعل کو۔ مثلاً نماز چھوڑنا منکر ہے، اور نماز پڑھنا معروف ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بے نمازی کی ذات سے نمازی کی ذات کو افضل سمجھیں۔ ہاں نمازی کے نماز پڑھنے کے فعل کو بے نمازی کے نماز نہ پڑھنے سے افضل کہیں گے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۷/۲۳۴ ملخصا بتسہیل)

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی (متوفی ۱۳۶۳ھ) رحمہ اللہ نے تبلیغی گشت کی ابتداء ۱۳۴۵ھ میں کی۔

(حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۹۱، ۹۲، ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی، ط: ۲۰۰۵ء)

۱۳۴۱ھ میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے کچھ تبلیغی وفود روانہ فرمائے تھے۔ ان میں سے بعض میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ بھی شریک تھے۔ (دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت: ص ۴۰- ۴۳ ملخصا، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط: ۱۹۸۵ء)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی (متوفی ۱۴۱۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سوال: تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟۔ جواب: تبلیغی جماعت میں جانا تو فرض عین نہیں، البتہ دین سیکھنا فرض عین ہے، خواہ مدرسہ میں داخل ہو، یا خارج مدرسہ پڑھ کر ہو، خواہ اہل علم اور اہل دین کی خدمت میں جا کر ہو، خواہ تبلیغی جماعت ساتھ ہو۔ (فتاوی محمودیہ: ۴/۲۰۸، ط: فاروقیہ)

مستورات کی تبلیغی جماعت کے بارے میں ہمارے مشائخ کے فتاوی دو طرح کے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بالکل اجازت نہیں۔ جیسے مثلاً: فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۶/۲۰۸ - ۲۱۶، مکتبہ دار العلوم دیوبند، ط: ۲۰۱۶ء اور فتاوی بینات: ۲/۱۲۳ - ۱۲۵، مکتبہ بینات، دار العلوم الاسلامیہ، کراچی، ط: ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء میں ہے۔ اور دوسرا قول مشروط اجازت کا ہے۔ جیسے مثلاً: فتاوی محمودیہ: ۴/۲۶۵-۲۷۰، فاروقیہ، اور فتاوی حقانیہ: ۲/۴۳۸، ۴۳۹، دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سنہ ندارد) میں ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہماری اس تحریک کا اصل مقصد مسلمانوں کو جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا)۔ یہ تو ہمارا اَصل مقصد ہے۔ رہی قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اصل مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ ونماز کی تلقین وتعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی الف بے تے ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس: ص ۲۹، مدنی کتب خانہ، کراچی، ط: سنہ ندارد، مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ)۔

ایک دفعہ جماعت کے احباب سے فرمایا: آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا اہتمام آپ نے نہیں فرمایا۔ (مصدر سابق: ص ۳۵)

(٦)- دعوت الی اللہ کے تین بنیادی ارکان: حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال بالاحسن:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین.** (نحل: ۱۲۵)

آپ اپنے رب کی راہ (دین) کی طرف (لوگوں کو) علم کی باتوں (کے ذریعہ سے جن سے مقصد اپنی بات ثابت کرنا ہوتا ہے) اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے (جن سے مقصود ترغیب وترہیب اور دل نرم کرنا ہوتا ہے) بلایئے اور (اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے (کہ جس میں سختی نہ ہو) بحث کیجیے۔ (بس اتنا کام آپ کا ہے۔ پھر آپ اس تحقیق میں نہ پڑیے کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا، کیوں کہ یہ کام خدا کا ہے۔ پس) آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے رستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس آیت میں اہل اللہ کے طریق دعوت کی تفصیل ہے اور یہ کہ تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں۔ (بیان القرآن: ۲/۱۵۶، ۱۵۷ بتسہیل)

اُصول دعوت دو چیزیں ہیں: حکمت اور موعظت۔ جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہیے، خواہ علماء وخواص کو ہو یا عوام الناس کو۔ البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو شکوک واوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث ومباحثہ پر آمادہ ہیں، تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ **بالتی ھی احسن** کی قید لگا کر بتلا دیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔ دعوت الی اللہ دراصل انبیاء کا منصب ہے۔ امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں۔ جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ وجدال کا سبب بن جاتی ہے۔ قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ اور کفار کے مجادلات سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں کہیں نظر نہیں آتا کہ اللہ کے کسی

رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی بھاری لفظ بولا ہو۔اس کی چند مثالیں دیکھیے۔(دیکھیے: معارف القرآن:۴۲۲/۵-۴۳۰،ادارۃ المعارف،کراچی،ط:۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)

جو شخص دعوت دین اور اصلاح کا کام کرتا ہے خواہ مؤثر ہو یا نہ ہو،اس کو بہرحال اپنے عمل کا ثواب ملتا ہے۔(مصدر سابق:۱۱۹/۱)

(۷)-داعی کو دو باتوں کا خاص اہتمام کرنا چاہیے: نیک اعمال،برائی کے جواب میں بھلائی:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین.ولا تستوی الحسنة ولاالسیئة ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم .** (حم سجدہ:۳۳،۳۴) اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے (جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور (اظہار اطاعت کے لیے) کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں؟ (یعنی بندگی کو فخر سمجھے،تکبر کرنے والوں کی طرح عار نہ کرے)۔اور (چونکہ دعوت الی اللہ میں جس کا اوپر ذکر ہے،اکثر ناواقفوں کی طرف سے نقصان اور تکلیف کا سامنا ہوتا ہے،اس کے متعلق خصوصا اور دوسرے حالات میں بھی عموماً اچھا رویہ اختیار کرنے کی تعلیم فرماتے ہیں،نبی اکرم ﷺ کو خصوصا اور آپ کے پیروکاروں کو عموما۔یعنی اول ایک بنیادی بات سمجھنی چاہیے کہ) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔(بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے۔جب یہ بات طے ہو گئی تو اب) آپ (مع پیروکاروں) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے،پھر یکا یک (دیکھ لینا کہ) آپ میں اور جس شخص میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دِلی دوست ہوتا ہے۔(یعنی برائی کا جواب برائی سے دینے میں تو دشمنی بڑھتی ہے اور نیکی کرنے سے دشمن کی طبیعت میں سلامتی ہو تو دشمنی گھٹتی ہے،حتی کہ اکثر بالکل دشمنی جاتی رہتی ہے۔اور اس بات میں دوست کی طرح ہو جاتا ہے،اگرچہ دل سے دوست نہ ہو)۔اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ داعی الی اللہ اور شیخ کو خود بھی نیک ہونا چاہیے،ورنہ اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔(بیان القرآن:۱۸۲۷/۳،۱۸۲۸،بتسہیل)

(۸)-داعی کو شفقت اور تحمل کی ضرورت:

اللہ تعالی کا ارشاد: **لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رئووف رحیم .** (توبہ:۱۲۸)(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں (کہ تم کو نفع حاصل کرنا آسان ہو)،جن کو تمہاری تکلیف کی بات نہایت گراں گزرتی ہے (چاہتے ہیں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے)،جو تمہارے فائدے کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے،پھر بالخصوص) ایمان والوں کے ساتھ (تو) بڑے ہی شفیق

(اور) مہربان ہیں (ایسے رسول سے فائدہ نہ حاصل کرنا بڑی محرومی ہے)۔ یہ صفات ہیں رسول اللہ ﷺ کی۔ اور چوں کہ (عالم اور) شیخ بھی نائب ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا۔ اس لیے یہ صفات اس میں بھی ہونا ضروری ہیں۔ (بیان القرآن: ۱/۷۸۹ بتسہیل)

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفرلهم وشاورهم فى الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين** ۔ (آل عمران: ۱۵۹) بعد اس کے (کہ ان صاحبوں سے ایسی لغزش ہوئی کہ آپ کو ان پر حق ملامت حاصل تھا) خدا ہی کی رحمت کے سبب (جو کہ آپ پر ہے) آپ ان کے ساتھ نرم رہے (اس نرم اخلاقی کو رحمت کے سبب اس لیے فرمایا کہ خوش اخلاقی عبادت ہے اور عبادت کی توفیق خدا تعالی کی رحمت سے ہوتی ہے)۔ اور اگر آپ خدانخواستہ تند خو سخت طبیعت کے ہوتے تو یہ (بے چارے) آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے (پھر ان کو یہ فیوض و برکات کیسے میسر ہوتے؟) سو (جب آپ نے ان کے فائدہ پہنچانے کے لے ان کے ساتھ برتاؤ میں ایسی نرمی اختیار فرمائی تو آپ کے حکم میں جو ان سے کوتاہی ہوئی اس کو) آپ (دل سے بھی) ان کو معاف کر دیجیے۔ اور (جو کچھ ان سے خدا تعالی کے حکم میں کوتاہی ہوگئی اس میں) آپ ان کے لیے (حق تعالی سے) استغفار کر دیجیے (گو اللہ تعالی نے اس لغزش کو معاف فرما دیا ہے مگر آپ کا استغفار فرمانا یہ علامت ہوگی آپ کی زیادہ شفقت کی جس ان کی اور زیادہ تسلی ہوگی) اور (بدستور) ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے (تا کہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو) پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کر لیں (خواہ ان کے مشورے کے موافق یا مخالف ہو) سو خدا تعالی پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجیے، بے شک اللہ تعالی ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدا تعالی پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں۔ (بیان القرآن: ۱/۳۵۰، بتسہیل)

اس سے بھی داعی کو نرم مزاج اور بردبار ہونے کی ضرورت ثابت ہوئی۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **لقد اخفت فى الله ومايخاف احد ،ولقد اوذيت فى الله ومايؤذى احد ،ولقد اتت على ثلاثون من بين يوم وليلةومالى ولبلال طعام ياكله ذوكبد الا شئى يواريه ابط بلال .** (سنن ترمذی: ۲/۲۴۷۲ شاکر، قال الترمذی: ہذا حدیث حسن صحیح)

مجھے اللہ کی خاطر اتنا ڈرایا گیا جتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور مجھے اللہ کی خاطر اتنا ستایا گیا جتنا کسی کو نہیں ستایا گیا۔ اور مجھ پر پورے تیس دن رات لگاتار ایسے آئے کہ میرے لیے اور بلال کے لیے کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی سوائے اس کے جو بلال کی بغل نے چھپا لی۔

تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے۔ جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی وہی تبلیغ کے مصائب کو خوشی سے برداشت کر سکے گا۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۶۴/۲۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۷ھ)

شفقت اور چیز ہے، تصدی اور چیز ہے۔ حق تعالیٰ تصدی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: **اما من استغنی فانت له تصدی .** (عبس: ۵، ۶) وہ جو پرواہ نہیں کرتا، سو تو اس کی فکر میں ہے۔

(مستند موضح قرآن: ۷۶۱)

اسی طرح اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی جامع مانع عنوان سے تعریف نہیں ہو سکتی۔ کسی محقق کی صحبت میں رہ کر اپنے اوپر طاری ہونے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۰۲/۸، بتسہیل، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

پس شفقت اچھی ہے، تصدی اچھی نہیں۔

(۹)-خطاب عام یعنی وعظ کہنے کی اہمیت:

وعظ بڑی نافع چیز ہے۔ اور یہ دین میں اس قدر اہم خدمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا۔ درس وتدریس وغیرہ سب اسی کے مقدمے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۲۲/۱۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

اصل کام دعوت الی اللہ ہے۔ اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے۔ اب چاہیے کہ جب مدارس سے علم ضروری حاصل کر لیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں۔ جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے، اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۲۳/۱۳)

(۱۰)-وعظ میں کیا مضمون بیان کیا جائے، کس انداز سے بات کہی جائے اور کب بیان کیا جائے؟:

آج کل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وعظ سے رنگین اور چٹ پٹے مضامین کو مقصود سمجھتے ہیں اور ایسے ہی واعظوں کے وعظ کو بہت پسند کرتے ہیں جو ایسے مضامین بہت بیان کرتے ہوں کہ اچھا ہے تھوڑی دیر کے لیے بزم رنگین رہے گی۔ یاد رکھو! وعظ کا مقصد علاج ہے امراض کا۔ اگر مزہ دار مضمون بھی کوئی آ جائے تو اس کی زینت ہے، ورنہ مقصود ہر طرح قابل تحصیل ہے۔ جب مقصد یہ ٹھہرا تو وعظ کہنے والے اور سننے والے کو اس کی رعایت ضروری ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۳۸۳/۲۳، ملخصاً بتسہیل، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

وعظ میں خطاب عام ہے۔ اس میں ضرورت وقت کا لحاظ رکھیں۔ جن گناہوں میں لوگ اس زمانہ

میں مبتلا ہوں یا جن ضروری اعمال میں کوتاہی کرتے ہوں اصل مدار اس پر رکھیں۔ دوسرے مضامین اگر ہوں تو ضمناً اور کم ہوں۔ اور یہ ضروری مضامین دین کے سب شعبوں کے ہوں۔ صرف عقائد اور عبادت پر اکتفا نہ کریں، بلکہ معاملات، معاشرت اور اخلاق سے بھی تفصیلی بحث کریں۔ بلکہ بوجہ متروک ہوجانے کے یہ آخری تین اجزاء زیادہ اہم ہوگئے ہیں۔ اور وعظ میں بات صاف کہیں کہ سننے والوں کی سمجھ میں خوب آئے، مگر سختی اور اشتعال انگیزی سے بچیں۔ اور وعظ پر عوض نہ لیں الا یہ کہ وعظ کہنے پر ملازم ہوں۔

(اصلاح انقلاب امت: ۱/ ۲۲، ۲۳ بتسہیل، حضرت تھانوی، ادارۃ المعارف کراچی، ط: ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کو دعوت دینے بھیجا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصی نصیحت ہوئی تھی: **فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشي . (طه: ۴۴)** پھر (اس کے پاس جاکر) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (رغبت سے) نصیحت قبول کرلے یا (عذاب الٰہی سے) ڈر جائے (اور اس سے مان جائے)۔ (بیان القرآن: ۲/ ۱۲۸۰)

بات تو حق کہے، لیکن عنوان نرم ہو، دل آزار اور غیر مہذب نہ ہو۔ مولانا (رومی) فرماتے ہیں: ع
نرم گو لیکن مگو غیر صواب۔ لیکن یہ نہیں کہ زید سمجھے ہمارے مشرب کا ہے، عمرو سمجھے ہمارے مشرب کا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۰/ ۱۹۶)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: بات لگا کر کہنے سے کوئی نفع نہیں ہوتا، بری بات چھوٹتی نہیں۔ شاہ اسحاق اور مولانا اسماعیل صاحب، ان سب حضرات کا ایک ہی مشرب تھا، مگر شاہ اسحاق صاحب نے شقیں نکال کر کہا۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ مولوی اسماعیل صاحب نے صاف صاف منع کیا۔ بہت سے مان گئے۔

(تذکرۃ الرشید: ۲/ ۲۴۷ بتسہیل، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط: ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء)

(تقریر کرتے وقت ہاتھ ہلانے کی عادت: دیکھیے: ملفوظات حکیم الامت: ۱۰/ ۳۰۸، ایک جلسے میں کئی واعظین کا بیان کرنا: ملفوظات حکیم الامت: ۱۰/ ۱۷۳، وعظ کے لیے وقت کی تحدید: ملفوظات حکیم الامت: ۱۰/ ۱۷۰، مسجد میں نماز کے اوقات میں جب لوگ فرض یا سنن یا نوافل پڑھ رہے ہوں بلند آواز سے ذکر یا وعظ کیسا ہے؟: دیکھیے: فتاوی عثمانی: ۱/ ۱۱۰، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ط: ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء، خیر الفتاویٰ: ۱/ ۲۵۸، مکتبہ امدادیہ ملتان، فتاوی محمودیہ: ۴/ ۳۱۷-۳۲۱، فاروقیہ)

عن ابی وائل قال کان عبد الله يذكر الناس فی كل خميس فقا ل له رجل يا اباعبد الرحمن لوددت انک ذكرتنا كل يوم قال اما انه يمنعنی من ذلک انی اكره ان

املکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان النبی ﷺ یتخولنا بھا مخافة السآمة علینا. (صحیح بخاری:۷۰رفؤاد)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ان سے ایک آدمی نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ہمیں روزانہ بیان کیا کریں۔تو فرمایا تمہارے اُکتا جانے کا ناگوار ہونا مجھے اس طرح کرنے سے روکتا ہے۔اور میں کبھی کبھار تمھیں وعظ کہتا ہوں جیسے نبی اکرم ﷺ ہمارے اُکتا جانے کے خطرے سے کبھی کبھار ہمیں وعظ فرمایا کرتے تھے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واعظ کو سامعین کے شوق اور نشاط کا لحاظ رکھ کر کبھی کبھی وعظ کہنا چاہیے۔اور سامعین کی اکتاہٹ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بہت لمبی تقریر ہو جو انھیں گراں گزرے۔

(۱۱)-واعظ کے تقوی اور ہدایت کی تڑپ سے اس کے وعظ میں اثر آتا ہے:

جو شخص خود تقوی اختیار کرتا ہے اس کے کہنے کا زیادہ اثر ہوتا ہے، بہ نسبت اس کے جو غیر متقی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے دو جملوں میں جو اثر ہوتا تھا وہ دوسرے واعظوں کی لمبی لمبی تقریروں میں بھی نہ ہوتا تھا۔جو اثر ان کے اس جملہ میں ہوتا تھا کہ خدا سے ڈرو، وہ دوسروں کے سالہا سال کے وعظ و پند میں نہیں ہوتا تھا۔(ملفوظات حکیم الامت:۱۰ر۱۲۳)

محقق کی ایک منٹ کی تقریر میں جو اثر ہوتا ہے وہ غیر محقق کے آدھ گھنٹہ کے لیکچر میں بھی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تو دیکھی ہوئی کہہ رہا ہے اور یہ یوں ہی گڑھی ان گڑھی ہانک رہا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۱۷ر۸۷،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۵ھ)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: واعظ کی اہلیت وعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لیے (اس کے دل میں) کم ازکم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا پاخانہ پیشاب کا۔اگر اتنا بھی نہ ہو تو وہ واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ مؤثر ہوسکتا ہے۔

(ارواح ثلاثۃ:ص۱۸۶،مکتبۃ الحسن،لاہور،ط:اول سنہ)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ) رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: حق بات، حق نیت سے حق طریق سے کہی جائے تو ضرور مؤثر ہوتی ہے۔جہاں بات مؤثر نہیں ہوتی وہاں ان تینوں باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔اگر ان رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو ان شاء اللہ مؤثر ہوگی۔ مخاطب اثر قبول کر کے صحیح عمل کرے گا۔اور اگر مخاطب عمل نہ بھی کرسکا تو کم ازکم یہ فائدہ لازمی ہے کہ اس کو صحیح علم ہوجاتا ہے۔(مجالس مفتی اعظم:ص۴۹۳،ادارۃ المعارف،کراچی،ط:۱۴۲۴ھر۲۰۰۳ء)

مشائخ (طریقت) نے مبتدی کو وعظ کہنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ وہ حظ نفس کے لیے (جی کے مزے کے لیے) وعظ کہے گا۔ اس کا نفس پابندی معمولات اور تنہائی سے بھاگتا ہے۔ مجمع میں باتیں بنانے کو دل چاہتا ہے۔ اس لیے وعظ میں اس کو مزہ آتا ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۲۵/۱۶۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ، نیز دیکھیے: ملفوظات حکیم الامت: ۱۲/۱۳۶)

ایک دفعہ مدرسہ دیوبند کے سالانہ جلسے کے اگلے دن حضرت گنگوہی قدس سرہ نے وعظ فرمایا۔ آپ حدیث کی کتاب لے کر منبر پر بیٹھے اور **کیف ما اتفق** اسے کھول کر جو حدیث نظر پڑی اسے پڑھ کر ترجمہ فرمانے لگے۔ آپ کے سارے وعظ میں حدیث نبوی کا نہایت سادہ ترجمہ اور یہی نماز روزے کے مسائل تھے جو معمولی پڑے لکھے بھی بیان کر دیتے ہیں، مگر خدا جانے وہ غیبی تاثیر کیا تھی جس نے سارے جلسہ کو سامت وسرنگوں بنا رکھا تھا۔ حضرت مولانا رفیع الدین مہتمم مدرسہ نے اس وعظ کی چشم دید کیفیت کو اس طرح تحریر فرمایا: وعظ کیا تھا گویا سامعین کو محبت الٰہی کی شراب کے جام کے جام پلا دیے۔

(تذکرۃ الرشید: ۱/۲۵۰ ملخصا، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط: ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء)

(۱۲)- داعی کو غیر اللہ کا خوف عقلی نہ ہونا چاہیے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **الذین یبلغون رسالت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ** . (احزاب: ۳۹) یہ سب (پیغمبران گزشتہ) ایسے تھے کہ اللہ تعالی کے احکام پہنچایا کرتے تھے (اگر تبلیغ قولی کے مامور ہوئے تو قولاً، اور اگر تبلیغ فعلی کے مامور ہوئے تو فعلاً) اور (اس باب میں) اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ (بیان القرآن: ۳/۱۶۶۱)

مطلب یہ کہ انبیاء تبلیغ احکام ضرور کرتے ہیں اور تبلیغ کے متعلق خوف عقلی تو ان کو صرف خدا سے ہوتا ہے، مخلوق کا خوف عقلی انھیں ذرا نہیں ہوتا، جس کے اثر سے خوف طبعی مخلوق کا ان پر ایسا غالب نہیں ہوتا جو تبلیغ سے روک دے۔ بلکہ اگر کسی وقت مخلوق سے ان کو خوف طبعی ہوتا بھی ہے تو وہ خشیت خداوندی سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ پس مخلوق کے خوف عقلی کی تو مطلقا نفی ہے، اور خوف طبعی کی مطلقا نفی نہیں، بلکہ اس کے غلبہ کی نفی ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۲۵/۱۱۴)

(۱۳)- وعظ میں فقہی مسائل کا بیان مناسب نہیں:

پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے؟ صرف ترغیب وترہیب پر اکتفاء کرتے ہیں۔ لیکن پھر خود تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں، خصوص اس زمانہ میں

جب کہ بدفہمی کا بازار گرم ہے۔ محض ترغیب دینا ہی مناسب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۶/۳۰۷، ۳۰۸ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۹ھ)

(۱۴)-وعظ کے بعد سوال جواب کی نشست مناسب نہیں:

یہ جو کسی بیان کے بعد، کسی تقریر کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوتی ہے، باقاعدہ اعلان ہوتا ہے کہ بھئی سوال وجواب کی نشست ہوگی۔ یہ سوال وجواب کی نشست ہمارے ہاں مغرب سے آئی ہے۔ وہاں یہ رواج ہے کہ لیکچر کے بعد آنسر سیشن ہوتا ہے۔ یہ آنسر سیشن بیان کے مجموعی اثر اور تاثر کو زائل کردیتا ہے۔ سوال وجواب کا اور محل ہے۔ کسی اور موقع پر انفرادی طور پر کرنا ہو تو کرلیا جائے۔ (ماہنامہ البلاغ: ص۱۲، ۱۳/ صفر ۱۴۳۳ھ/ جنوری ۲۰۱۲ء، حضرت مفتی زین العابدین رحمہ اللہ، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ)

(۱۵)-دین پھیلانے کے لیے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (متوفی ۱۳۹۷ھ) رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ہم لوگ اللہ تعالی کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں۔ ہاں اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغ دین کے لیے جتنے جائز ذرائع وسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کرکے اپنی پوری کوشش صرف کردیں۔ اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں۔ ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں۔ اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کرکے لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور آداب تبلیغ کو پس پشت ڈال کر جس طرح جائز وناجائز طریقے سے ممکن ہو لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں۔

(نقوش رفتگاں: ۱۰۴ ملخصاً، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ط: ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

(۱۶)-داعی کے ذمے صرف پہنچانا ہے، نہ کہ منوانا:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **عرضت علی الامم فرایت النبی ومعه الرهيط، والنبی ومعه الرجل والرجلان، والنبی وليس معه احد.** (صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۲۲۰/ فؤاد، مختصر)

میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں، تو میں نے ایسا نبی دیکھا جس کے ساتھ ایک چھوٹی جماعت تھی، اور ایسا نبی بھی دیکھا جس کے ساتھ ایک دو آدمی تھے، اور ایسا نبی بھی دیکھا جن کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔

اس سے ایک تو یہ واضح ہوا کہ داعی نے جب صحیح بات صحیح طریقے سے پہنچادی اور مخاطب کے

شبہات کا کافی جواب دیدیا تو اس کا فرض منصبی ادا ہوگیا۔اس کے بعد جو نہ مانے وہ خود جانے۔اور دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیروکاروں کی کثرت اور قلت داعی کی کامیابی اور ناکامی کا معیار نہیں۔البتہ صحیح طریقے سے کام کرنیوالے کے لیے پیروکاروں کی کثرت ایک اضافی فضیلت ضرور ہے۔

(۱۷)۔دوسرے کی ہدایت اور اصلاح کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **یاایھاالذین آمنوا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذااھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم تعملون.** (مائدہ:۱۰۵) اے ایمان والو! اپنی (اصلاح کی) فکر کرو، (اصل کام تمہارے ذمہ یہ ہے۔باقی دوسروں کی اصلاح کے متعلق یہ ہے کہ جب تم اپنی طرف سے نفع کی امید پر اپنی طاقت کے مطابق کوشش کر رہے ہو، مگر دوسرے پر اثر نہیں ہوتا تو تم اثر نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑو، کیونکہ) جب تم (دین کی) راہ پر چل رہے ہو (اور واجبات دین کو ادا کر رہے ہو، اس طرح کہ اپنی بھی اصلاح کر رہے ہو اور دوسروں کی اصلاح میں بھی کوشش کر رہے ہو) تو جو شخص (باوجود تمہاری اصلاح کی کوشش کے بھی) گمراہ رہے تو اس (کے گمراہ رہنے) سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔(اور جیسا دوسرے کی اصلاح میں حد سے زیادہ فکروغم سے منع کیا جاتا ہے، ایسا ہی ناامیدی ہدایت کے وقت غصہ میں آکر دنیا ہی میں ان پر سزا نازل ہونے سے حق وباطل کا اخیر فیصلہ ہوجانے کی بھی تمنامت کرنا، کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا، چنانچہ) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلادیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔(اور جتلا کر حق پر ثواب اور باطل پر عذاب کا حکم نافذ فرمادیں گے)۔اور یہی طریق ہے عارفین کا، کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرچکنے کے بعد کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔

(بیان القرآن:۶۱۱/۱)

(اس آیت کے مضامین کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: حضرت تھانوی قدس سرہ کا وعظ التصدی للغیر۔خطبات حکیم الامت: ۲۸۴/۲۵-۳۰۲۔ نیز دیکھیے: معارف گنگوہی: ص۳۳،۳۴، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط:۱۹۷۶ء، مجموعہ ملفوظات حضرت گنگوہی، افادات: حضرت تھانوی، ترتیب: مولانا محمد اقبال قریشی)

(۱۸)۔علماء کے کسی جائز کام سے اگر عوام کے ناجائز کام میں پڑنے کا اندیشہ ہو؟

بعض مرتبہ میں (یعنی حضرت تھانوی قدس سرہ) ایک جائز بات کی اجازت مقتدا کو بھی نہیں دیتا، جس میں لوگ اس مقتدا کے فعل کی سند پکڑیں گے، ناجائز چیزوں کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔اور عامی شخص کو اسی بات کی اجازت دیتا ہوں کیونکہ یہاں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی اقتدا کریں گے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۲۴۸/۱۰)

علماء کو بہت سے جائز کاموں سے بھی رُکنا پڑتا ہے۔اس لیے تاکہ عوام گمراہ نہ ہوں۔علماء کو بہت سے ایسے جائز کام چھوڑنے پڑتے ہیں جن میں خطرہ ہو کہ عوام کو کوئی مغالطہ لگ جائے گا۔

(مجالس مفتی اعظم:۲۰۰)

(۱۹)۔انبیاء پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے، برخلاف علماء کے:

انبیاء پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے،علماء پر کبھی فرض اور کبھی مستحب۔

(خطبات حکیم الامت:۲۵ر۱۱۵ملخصا)

(۲۰)۔مخلوق سے تعلق بذات خود مقصود نہیں:

تعلق مع الخلق مقصود و مطلوب بالذات نہیں، گو بعض دفعہ کسی عارض کے سبب مطلوب و مامور بہ ہوتا ہے،اور کبھی مطلوب بالذات سے مقدم بھی ہو جاتا ہے،مگر اس کو قاعدہ کلیہ بنالینا سخت غلطی ہے۔

(خطبات حکیم الامت:۲۵ر۲۳۹، نیز دیکھیے: خطبات حکیم الامت:۲۵ر۲۳۵)

(۲۱)۔نفع تام افضل ہے نفع عام سے:

ایک صاحب کے پاس حضور ﷺ کے نامزد حضور ﷺ کی تصویر ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا حضرت مولانا اسماعیل شہید اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ کے زمانے میں بھی ایسی ہی بات پیش آئی تھی۔مولانا اسماعیل شہید سے پوچھا گیا کہ ایک تصویر ہے جو حضور ﷺ کے نامزد ہے،اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ فرمایا معاملہ کیا ہوتا حضور ﷺ کے ساتھ نامزد ہونے سے حکم شرعی نہیں بدلتا۔حضرت شاہ عبدالعزیز سے پوچھا گیا تو فرمایا (تصویر) جان دار ہے یا بے جان؟ سائل نے عرض کیا بے جان۔فرمایا جب صاحب تصویر بے جان ہو گئے تو کیا معاملہ کیا گیا؟ عرض کیا غسل وکفن دے کر دفن کر دیا گیا تھا۔فرمایا تم بھی ایسا ہی کرو کیوڑے، گلاب سے غسل دو اور بہت قیمتی کپڑے میں لپیٹ کر کسی ایسی جگہ دفن کر دو جہاں کسی کا پاؤں نہ آئے۔

بات ایک ہی ہے کہ (تصویر) مٹادی گئی، مگر عنوان کا فرق ہے۔ایک اس سے بھی اچھا فیصلہ ہے۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ کے سامنے اگر یہ (تصویر) پیش کی جائے تو حضور ﷺ (اس کے ساتھ) کیا معاملہ فرماتے؟ ظاہر ہے کہ اتنا بھی نہ فرماتے جتنا شاہ صاحب نے فرمایا۔بلکہ مولانا شہید ہی جیسا فتوی اور عمل فرماتے۔ حضرت مولانا شہید اور حضرت شاہ صاحب کی تجویزوں میں یہ فرق ہے کہ ایک کا نفع عام ہے اور ایک کا نفع تام۔حضرت شاہ عبدالعزیز کی تجویز کا نفع عام ہے۔اور حضرت مولانا اسماعیل شہید کی تجویز کا نفع تام ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ نفع عام سے نفع تام افضل ہے، اگرچہ نفع عام زیادہ آسان ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۷ر۲۹۷، ۲۹۸ ملخصاً)

(۲۲)- نفع لازمی اور نفع متعدی میں سے افضل کونسا ہے؟

یہ جو مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے، یہ علی الاطلاق صحیح نہیں۔ بلکہ اصل یہی ہے کہ نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے، کیونکہ آیت **فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب** (انشراح: ۷، ۸) پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر، اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔(مستند موضح قرآن: ۸۷۷) میں رسول اللہ ﷺ کو امر ہے کہ جب آپ نفع متعدی سے فارغ ہو جائیں یعنی تبلیغ سے، تو نفع لازمی میں مشغول ہوں، یعنی توجہ الی اللہ میں۔ یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ نفع لازمی متعدی سے افضل ہے۔ کیونکہ متعدی سے فراغ کو طلب کیا گیا ہے، نہ کہ لازمی سے۔ پھر اس کے بعد نفع لازمی میں اشتغال کلی کا حکم ہے کہ اسی میں توجہ رکھیے، اس وقت دوسری طرف التفات نہ ہو۔ جیسا کہ **الی ربک** کی تقدیم کا مقتضا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر نفع متعدی افضل ہوتا تو اس سے فراغ مطلوب نہ ہوتا۔ بلکہ یوں ارشاد ہوتا: **فاذا فرغت من ذکر ربک فانصب فی التبلیغ والیہ فارغب**۔ (جب آپ اپنے رب کی یاد سے فارغ ہو جائیں تو تبلیغ میں محنت کریں اور اسی میں دل لگائیں)۔ (خطبات حکیم الامت: ۲۵ر۲۸۰ ملخصا)

(۲۳)- لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو اور تبلیغ کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو کیا کریں؟

جس جگہ لوگوں کو کسی مسئلہ کا علم ہو، اور ان لوگوں کو اس مسئلہ کی تبلیغ کرنے میں فتنہ کا بھی اندیشہ ہو، تو ایسے موقع پر مفاسد و مضار خاصہ کے ترتب کی بنا پر عجب نہیں بعض اوقات تبلیغ ناجائز ہو!۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۰ر۲۳۹)

(۲۴)- اس زمانے میں غیر مسلموں کو تبلیغ کرنا کیسا ہے؟:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کفار کی تبلیغ بھی ہے۔ خواہ تقریر سے ہو، خواہ تحریر سے، اپنے ملک کے کافروں کو بھی اور دوسرے ملک کے کافروں کو بھی۔ اور یہ دین کے احکام کے پھیلاؤ کی وجہ سے اگرچہ اس وقت واجب نہیں رہا، لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت ہے۔ (اصلاح انقلاب امت: ۱ر۲۶ ملخصاً)

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اس زمانے میں مسلمانوں پر تبلیغ اسلام واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا جہاں اسلام پہنچ چکا ہے وہاں تبلیغ اسلام واجب نہیں ہے، جیسا کہ بلوغ اسلام اکثر جگہ ہو چکا ہے اور تبلیغ سے مقصود بلوغ اسلام ہے۔ اگر خود بلوغ ہو جائے تو فرضیت تبلیغ کی ساقط ہو جائے گی۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۲ر۱۱۴ بتسہیل، نیز دیکھیے: الدر المختار مع رد المحتار: ۴ر۱۲۹، الفتاوی الہندیۃ: ۲ر۱۹۳)

(۲۵)- عوام اور علماء کی ذمہ داری آدھی آدھی ہے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون (النحل : ٤٣)** سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں۔ (موضح فرقان: ۳۵۹)

اس آیت سے اس کی دلیل لی گئی ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اسے علماء سے معلوم کرنا لازم ہے۔ (روح المعانی: ۳۸۷/۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ط: ۱۴۱۵ھ ومثلہ فی تفسیر عثمانی: ص ۳۵۹، ح ٦)

یہ آیت اگر چہ مشرکین مکہ کے جواب میں نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ الفاظ کے عام ہونے کا اعتبار ہوتا ہے، نہ کہ سبب نزول کے خاص ہونے کا، اس لیے اس سے عام حکم ثابت ہوگا کہ جو عالم نہ ہو وہ عالم سے پوچھ کر عمل کرے۔ (تقلید کی شرعی حیثیت: ص ۲۴، ۲۵ ملخصا، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط: ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **الم يكن شفاء العى السئوال.** (سنن ابی داود: ۳۳۷/ارنوو ط: قال: حدیث حسن) کیا ناواقف کی شفاء پوچھنا نہیں؟ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **طلب العلم فريضة على كل مسلم.** (سنن ابن ماجۃ: ۲۲۴/حسنہ المزی) دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں: **قالوا ان العالم لايجب عليه السعى الى الجاهل لازالة جهله ، وانما يجب على الجاهل ان يسعى ويسال العالم ، فاذا ساله وجبت الاجابة.** (حاشیۃ الطحاوی علی المراقی: ص ۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط: ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء) عالم پر لازم نہیں کہ ناواقف کی ناواقفیت دور کرنے کے لیے اس کے پاس جائے۔ ناواقف ہی پر لازم ہے کہ جائے اور عالم سے پوچھے۔ جب اس سے پوچھے گا تو جواب دینا لازم ہوگا۔

يلزم كل مومن ومومنة اذا جهل شيئا من دينه ان يسئل عنه . (التمہید لابن عبدالبر: ۳۳۸/۸، وزارۃ عموم الاوقاف، المغرب، ط: ۱۳۸۷ء) ہر مومن مرد اور عورت پر لازم ہے کہ دین کی جو بات اسے معلوم نہ ہو اسے پوچھے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **من سلک طريقا يطلب فيه علما سلک الله به طريقا الى الجنة ، وان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم.** (مسند احمد: ۲۱/۱۵/۲۱ قال محققوہ: حسن لغیرہ) جو شخص کسی راستے پر چلا جس میں وہ دین کا کچھ علم طلب کرتا ہے تو اللہ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا۔ اور فرشتے اپنے بازو رکھ دیتے ہیں علم دین طلب کرنے والے سے خوش ہو کر۔ (اس حدیث میں جو فضیلت آئی ہے وہ پورا عالم دین بننے کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ فرض عین درجے کا علم دین حاصل کرنے

والا بھی اس میں داخل ہے۔(خطبات حکیم الامت :۹۹/۲۷ملخصاً،ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ، نیز دیکھیے: مرقاۃ المفاتیح:۲۹۵/۱)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **انما العلم بالتعلم. (اخرجه البخاری معلقا بصیغه الجزم. کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل)اسناده حسن الا ان فیه مبهما اعتضد بمجیئه من وجه آخر. والمعنی لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء او ورثتهم علی سبیل التعلم.** (فتح الباری لابن حجر:۱۶۱/۱،دارالمعرفۃ، بیروت، ط:۱۳۷۹ھ) علم (دین استاذ سے) سیکھنے سے ہی آتا ہے۔مطلب یہ کہ معتبر علم وہی ہے جو انبیاء اور ان کے وارثوں سے سیکھ کر حاصل کیا جائے۔لہٰذا ذاتی مطالعے سے کوئی عالم نہیں ہوسکتا۔

ان نصوص صریحہ سے واضح ہوا کہ دین سیکھنے سکھانے میں آدھا کام عوام کا ہے اور آدھا کام علماء کا۔ عوام کی ذمہ داری ہے کہ علمائے حق سے دینی رہنمائی لیں اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے سوالوں کا کافی جواب دیں۔اب اگر کوئی علماء سے دین نہیں لیتا، بلکہ از خود ہر کس و ناکس کو سنتا پڑھتا ہے یا خود سے قرآن وحدیث سمجھنا شروع کردیتا ہے یا کسی ایسے کو استاذ بنالیتا ہے جس نے کسی مستند عالم استاذ سے علم دین حاصل ہی نہیں کیا اور فکری یا عملی گمراہی میں پڑجاتا ہے تو اپنی گمراہی کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے:بعض انگریزی خواں طلبہ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آکر ہمیں ہدایت کریں۔میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کے گھروں پر جاکر ان کو ہدایت کریں۔نیز اس میں شبہ ان کی حاجت مندی کا بھی ہوسکتا ہے۔بس یہی مناسب ہے کہ علماء اپنے مکان پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں۔ سول سرجن پر آپ نے کبھی اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن غیر شفیق ہے، بیمار کے پاس گھروں میں آکر علاج نہیں کرتا۔حالانکہ اس کو آپ کے پاس آنا آسان بھی ہے،مگر خود اس کے پاس جاتے ہیں۔اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ آپ امراض جسمانی کو تو مہلک سمجھتے ہیں اور امراض روحانی کو اس قدر مہلک نہیں سمجھتے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۴۴۴/۲۳)

اور ارشاد ہے: میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتوی دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض عین ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ فرض عین ہے۔اس لیے کہ ایمان کی سلامتی کا جو ذریعہ ہوگا اس کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے۔اور

تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔ اس تعلق کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۳۸/۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

لہٰذا اگر کوئی نیک صحبت اختیار نہ کرے اور گمراہی کا شکار ہو جائے تو یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے۔ اور اس کا علاج اب بھی یہی ہے کہ اہل اللہ کے سائے میں رہے۔

(۲۶)۔ جس فتنے کو دفع کرنا قدرت سے باہر ہو اس کی مدافعت نہیں کرنی چاہیے:

رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ہے: **اذا اردت بقوم فتنة فتوفنی غیر مفتون.** (سنن ترمذی: ۳۲۳۵ / شاکر، قال الترمذی: حسن صحیح) اے اللہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنا چاہیں تو مجھے ایسی حالت میں اٹھا لیجیے کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، بلکہ اس سے بچا رہوں۔ آپ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ مجھے اس فتنہ کے دفع کرنے کی ہمت دیجیے۔ بعض فتنے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا دفع کرنا قدرت سے باہر ہوتا ہے، اس وقت طلب مدافعت مناسب نہیں، بلکہ اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ پھر یہ بات معلوم کرنا کہ فتنہ کا رفع دفع کرنا قدرت سے باہر ہے یا نہیں؟ یا تو دلیل قطعی سے معلوم ہوگا۔ جیسا حضرات انبیاء علیہم السلام کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے، یا دلیل ظنی سے اس طرح معلوم ہو کہ اس کے ظن غالب میں اس کا رفع قدرت سے باہر ہو۔

(خطبات حکیم الامت: ۱۶۸/۲۵، ۱۶۹ ملخصاً)

(۲۷)۔ جسے ہدایت کی طلب نہ ہو اسے ہدایت نہیں ملتی:

قرآن میں جو ارشاد ہے: **انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء.** (قصص: ۵۶) تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے، پر اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے۔

(موضح فرقان: ۵۲۱)

اس آیت میں **یشاء** کی ضمیر جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ کی راجع ہے۔ لیکن قواعد عربیہ کے موافق ایک دوسری توجیہ لطیف یہ بھی ہو سکتی ہے کہ **یشاء** کی ضمیر **من** کی طرف راجع ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص خود اپنی ہدایت کا قصد کرے خدا تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں۔

اور اس بات کی تائید دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے کہ اگر خود قصد کرے تو خدا تعالیٰ بھی امداد فرماتے ہیں ورنہ نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا .** (عنکبوت: ۶۹) اور جنھوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔ (موضح فرقان: ۵۳۸) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: **انلزمکموھا وانتم لھا کارھون.** (ہود: ۲۸) تو کیا ہم تم کو مجبور کر سکتے ہیں اس پر اور تم اس

سے بیزار ہو؟(موضح فرقان:۲۹۷)

یہ اس پر بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی اصلاح نہ چاہے شیخ اس کی اصلاح نہیں کرسکتا۔

(ملفوظات حکیم الامت:۱۲/۱۳۶،۱۳۷)

جو خود اپنی اصلاح نہ چاہے،اس کی تو نبی بھی اصلاح نہیں کرسکتے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۲/۴۲،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۹ھ)

(۲۸)-ضروری نہیں کہ جس سے دین کی خدمت لی جائے وہ عنداللہ مقبول ہو:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر.** (صحیح بخاری: ۳۰۶۲/فؤاد،مختصر) بے شک اللہ تعالی اس دین کو مضبوط کرتے ہیں فاجر آدمی (منافق یا فاسق) کے ذریعے۔

(مرقاۃ المفاتیح:۹/۳۷۹۴)

(۲۹)-ہر شخص اپنی قابلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے دعوت سے نفع اٹھاتا ہے:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا ، فکان منھا نقیة قبلت الماء فانبتت الکلا والعشب الکثیر ، وکانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا ، واصابت منھا طائفة اخری انما ھی قیعان لاتمسک ماء ولا تنبت کلا . فذلک مثل من فقه فی دین اللہ ونفعه مابعثنی اللہ به فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذلک راسا ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت به .** (صحیح بخاری:۷۹/فؤاد)

اللہ تعالی نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال بہت زیادہ بارش کی ہے جو زمین پر ہوئی۔تو زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کیا اور اس سے بہت زیادہ خشک اور ہری گھاس پیدا ہوئی۔اور زمین کے کچھ حصے ایسے سخت تھے کہ ان کے اوپر پانی جمع ہوگیا۔اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا۔اور یہ بارش ایسے حصے پر بھی پہنچی جو چٹیل میدان تھا،نہ تو اس نے پانی روکا اور نہ گھاس اُگائی۔لہٰذا یہ سب اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھا اور جو چیز خدا تعالی نے میرے ذریعے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی جس نے خدا کے دین کو سمجھنے کے لیے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور خدا تعالی کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔

☆......☆......☆......☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

(قسط:۱۴)

زبیر علی زئی:

دوسرا رخ:

صحیح سند[۶۱۲] سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر[۶۱۳] رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات (تراویح)[۶۱۴] پڑھانے[۶۱۵] کا حکم دیا تھا۔ (دیکھئے مؤطا امام مالک[۶۱۶]: ج ا ص ۱۱۵، ح:۲۴۹)

اِس اَثر کو درج ذیل علماء نے[۶۱۷] صحیح وقابل استدلال قرار دیا ہے:

ا: عینی حنفی[۶۱۸] (صححه فی نخب الافكار ۱۰۳/۵، دوسرا نسخہ ۳/۲۷۷)

۲: ضیاء المقدسی[۶۱۹]

۳: طحاوی[۶۲۰] (قال : " فهذا يدل[۶۲۱] " شرح معانی الآثار ۱/۲۹۳)

نیز نیموی نے[۶۲۲] بھی اس کے بارے میں "و اسناده صحيح[۶۲۳]" لکھا ہے۔

(آثار السنن:۷۷۶)

الجواب:

۶۱۲ "صحیح سند" اس پر بحث آگے حاشیہ: ۶۱۵/ اور ۶۲۳/ میں آ رہی ہے ان شاء اللہ۔

۶۱۳ غیر مقلدین کے ہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہے؟ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

عبدالرحمٰن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسلمانوں میں یہ وبا عام دیکھی کہ وہ سنت رسول کے طریقہ کے خلاف بیک وقت مجلس تین طلاق دیتے ہیں تو آپ نے نے ایسے لوگوں کو ان کی اس حرکت کی سزا یہ دی کہ ایسی تین طلاق کو قانوناً تین طلاق ہی شمار کر کے اسے طلاق رجعی کے بجائے طلاق بائنہ قرار دے دیا۔ اگر چہ آپ کا یہ فیصلہ سیاسی نوعیت کا تھا تا ہم ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کچھ باک نہیں ہے کہ آپ کا یہ فیصلہ شرعی تبدیلی یا شرعی ترمیم نہیں بلکہ براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف تھا۔" [آئینہ پرویزیت: ۷۷۷]

کیلانی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ تعزیراتی فیصلہ بھلا انسانی فطرت کو کیسے بدل سکتا تھا؟ نیتجتاً حلالہ کے

واقعات رونما ہونے لگے۔'' [آئینہ پرویزیت: ۷۷۸]

ابوالاقبال سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ نے جس عمل کو روکنے کے لیے یہ حکم نافذ کیا تھا۔ اس میں تو کامیاب نہ ہو سکے بلکہ اس سے دوسری خرابیاں پیدا ہو گئیں جوڑے بچھڑ گئے، گھر اُجڑ گئے، بچے ویران ہو گئے جیسا کہ اس قسم کی صورت حال میں آج کل بھی ہو رہا ہے۔'' [مذہب حنفی کا دینِ اسلام سے اختلاف: ۸۸]

عبدالمتین میمن غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اب اس مسئلہ طلاق میں ہم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی طرف لوٹیں یا حضرت عمرؓ کی سنت کی طرف۔ جب تقابل ہوا اور آپ یہ کہیں کہ سنت محمدی کو چھوڑ کر سنت عمرؓ کی طرف لوٹیں گے تو یہ کفر ہے۔'' [حدیث خیر وشر: ۱۰۲]

پروفیسر عبداللہ بہاول پوری غیر مقلد کہتے ہیں:

''ابوبکر صدیق ہوں، حضرت عمر ہوں، حضرت عثمان ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہم ہوں، کوئی ہو، اللہ نے کسی کی کوئی گارنٹی نہیں دی کہ جب بولتا ہے تو سچ بولتا ہے۔'' [خطبات بہاول پوری: ۹۳/۵]

اس طرح کے مزید حوالہ جات میں اپنی زیر ترتیب کتاب ''مقدّسات کی شان میں غیر مقلدین کی گستاخیاں'' میں نقل کروں گا، ان شاء اللہ۔

۶۱۴

علی زئی نے قوسین میں ''تراویح'' لکھا ہے۔ یہاں اس حوالے سے دو باتیں پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) غیر مقلد علماء نے تصریح کی ہے کہ تراویح کا لفظ قرآن وحدیث میں نہیں، یہ تو علماء کی قائم کردہ اصطلاح ہے گویا اس نماز کو تراویح کہنے میں مدعیانِ اہلِ حدیث نے علماء کی پیروی کر رکھی ہے۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سرے سے تراویح کی کوئی شرعی اصطلاح ہے ہی نہیں۔ یہ لفظ نہ قرآن پاک میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ صرف اہلِ علم کی اصطلاح ہے۔'' [حدیث اور غیر اہلِ حدیث: ۱۱۱]

(۲) تراویح عربی زبان کا لفظ ہے یہ **ترویحة** کی جمع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سمیت الصلوۃ فی الجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح لانھم اول ما اجتمعوا علیھا کانوا تریحون بین کل تسلیمتین ، جو نماز رمضان کی راتوں میں با جماعت ادا کی جاتی ہے اس کا

نام تراویح رکھا گیا ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام پہلی مرتبہ اس نماز پر مجتمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد ترویحہ یعنی آرام کیا کرتے تھے۔'' [فتح الباری: ۳۱۵/۴]

غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

''نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہِ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے اور اس نماز کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیوں تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنے کے ہیں۔'' [فتاویٰ علمائے حدیث: ۲۴۱/۶]

ابوالبرکات احمد غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جب سے قیام رمضان یا جماعت کے ساتھ پڑھنے پر متفق ہوئے۔ اسی وقت سے نام جاری ہے کیوں کہ ہر چار رکعت کے بعد لوگ تھوڑی دیر آرام کرلیا کرتے تھے۔'' [فتاویٰ برکاتیہ: ۵۳]

مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق آٹھ رکعت پر تراویح کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ آٹھ رکعت پر **ترویحتین** (دو ترویحہ) کا لفظ سچا آتا ہے۔ لفظِ ''تراویح'' جمع ہے اور عربی میں جمع کے کم از کم افراد تین ہوتے ہیں، لہٰذا تراویح کے اطلاق کے لیے کم از کم بارہ رکعتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۵

[الف]......حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم، میرے نزدیک غالب گمان یہ ہے کہ امام مالک کا قول گیارہ رکعات وہم ہے۔'' [الاستذکار: ۶۹/۲]

مزید فرمایا:

''وغير مالك يخالفه فيقول فی موضع احدی و عشرون وهو الصحيح ولا اعلم احدا قال فی هذا الحديث احدی عشرة ركعة غير مالك، امام مالک کے علاوہ دیگر راویوں نے ان کی مخالفت کی ہے، اور انہوں نے اس حدیث میں تراویح کی اکیس رکعات نقل کی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ امام مالک کے علاوہ کسی دوسرے محدث نے گیارہ رکعات کا قول اس حدیث میں نقل کیا ہو۔'' [حوالہ مذکورہ]

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق گیارہ رکعات بیان کرنے میں امام مالک رحمہ اللہ کو غلطی لگی ہے۔ ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حدیث میں ایسی غلطیوں سے امام مالک، سفیان ثوری، شعبہ، یحییٰ بن سعید ایسے حفاظ واثبات

بھی محفوظ نہ رہ سکے تو وہ آخر انسان ہی ہیں اور خطا ونسیان انسان کے خمیر میں ہے۔امام ابن مبارک فرماتے ہیں کہ وہم سے کون محفوظ رہا ہے۔'' [توضیح الکلام:۲/۵۹۱]

پھر حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے عہد عمری میں بیس رکعات کی بابت متعدد روایتیں نقل کر کے لکھا:

''وھذا کلہ یشھد بان الروایۃ باحدی عشرۃ وھم و غلط وان الصحیح ثلاث و عشرون و احدی و عشرون رکعۃ، یہ سب روایات اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ گیارہ رکعات والی روایت محض وہم اور غلط ہے اور صحیح روایات وہی ہیں جن میں تئیس اور اکیس رکعات کا ذِکر ہے۔''

[الاستذکار:۲/۶۹]

غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ صحیح بخاری میں بھی کئی مقامات میں اوہام واقع ہوئے ہیں۔امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان نے بخاری کی شرح ''تیسیر الباری'' میں ان اوہام کا تذکرہ کیا ہے۔حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن دام ظلہ نے اپنے رسالہ ''بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں'' میں انہی اوہام کو تیسیر الباری سے نقل کر دیا ہے جسے تیسیر الباری دستیاب نہ ہو وہ قارن صاحب کے اس رسالہ کا مطالعہ کر لے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے:ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج میمونۃ وھو محرم ،بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ سے نکاح کیا جب کہ آپ حالتِ احرام میں تھے۔(بخاری)

غیر مقلدین کے نزدیک چوں کہ حالتِ احرام میں نکاح کرنا جائز نہیں، اس لیے بخاری کی اس حدیث کو وہم قرار دیا ہے۔میری ڈائری میں غیر مقلدین کی متعدد کتابوں کے نام درج ہیں ہیں جن میں انہوں نے بخاری کی صحیح السند مذکورہ حدیث کو وہم کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا۔سردست ایک حوالہ ملاحظہ ہو۔

عبدالرحمٰن ضیاء غیر مقلد لکھتے ہیں:

''جس میں غلطی واقع نہ ہو اس کو غلطی واقع ہوئی پر ترجیح ہوگی مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محرم ہونے کی حالت میں شادی کی [بخاری] جب کہ دیگر کتب حدیث مثلاً ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ حلال ہونے کی حالت میں شادی کی تھی۔شیخ الاسلام رحمہ اللہ [ابن تیمیہ (ناقل)] ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح بخاری والی روایت کو مرجوح قرار دیتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ اس میں ثقہ صدوق راوی سے غلطی واقع ہوئی ہے اس لیے وہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔''

[امام ابن تیمیہ بحیثیت ایک عظیم محدث:۴۸]

ارشادالحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’بعض علماء ربانیین ایسے بھی ہوگزرے ہیں جنہوں نے صحیح بخاری کے اوہام وعلل کے اظہار کو موضوع بحث بنایا۔‘‘ [مقالاتِ اثری:۱۵۱/۴]

علی زئی کے استاد محبّ اللہ شاہ راشدی غیر مقلد نے امام بخاری رحمہ اللہ کی بابت لکھا:

’’یہ حقیقت ہے کہ ان سے بھی غلطیاں ہوئیں ہیں جن پر ائمہ حدیث نے تنبیہ کی ہے۔‘‘

[مقالاتِ راشدیہ:۴۸/۹]

ہم کہتے ہیں جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ اور صحیح بخاری کے اوہام قابلِ قبول نہیں، اسی طرح مؤطا مالک کی گیارہ رکعات والی حدیث کا متن بھی وہم کی وجہ سے نا قابل قبول ہے۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے اس وہم پر مطلع کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ علی زئی نے حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کو اپنے اسلاف میں شمار کیا ہے۔ [توضیح الاحکام:۷۹/۳]

[ب]......مزید یہ کہ غیر مقلدین کے ہاں صحابہ کرام کی بات حجت نہیں ہے۔

علامہ امیر یمانی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’ان الصحابة خالفوا الشیخین فی مواضع ومسائل فدل انهم لم یحملوا الحدیث علی ان ماقالوه وفعلوه حجة۔ [سبل السلام ۱۲/۲]

بے شک صحابہ نے کئی مقامات اور مسائل میں شیخین (ابوبکر وعمر) کی مخالفت کی ہے پس یہ دلیل ہے کہ انہوں نے حدیث کو اس پر محمول نہیں کیا کہ جو کچھ وہ کہیں یا کریں وہ حجت ہے۔

امام آلِ غیر مقلدیت وحیدالزمان لکھتے ہیں:

’’اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خلفاء کا فعل بھی سنت ہے، سنت تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا قول وفعل ہے کیوں کہ آپ خطاء سے معصوم تھے اور آپ کے خلفاء معصوم نہ تھے۔‘‘

[لغات الحدیث:۷۸/۲:ر]

وحیدالزمان صاحب کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ خلفاء راشدین چوں کہ غیر معصوم ہیں، اس لیے اُن کا عمل سنت نہیں۔

فاروق الرحمٰن یزدانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’اَب یہ کام آخری پیغمبر ورسول کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے کہ وہی مسلمانوں کی عقیدت ومحبت کا مرکز ومحور ہے اور اسی کا قول وفعل معیار حق ہے، اس کے سوا کسی شخصیت کا خواہ وہ کسی درجہ کے علم وعمل سے

متصف ہو، حتی کہ وہ اگر عشرہ مبشرہ سے ہو یا خلفائے راشدین سے بلکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہو، وہ معیارِ حق نہیں ہے۔'' [احناف کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف: ۴۴۱]

تنبیہ: یزدانی صاحب کی مذکورہ کتاب کا جواب حضرت مولانا حافظ عبد القدوس خان قارن دام ظلہ نے ''انکشافِ حقیقت'' کے نام سے لکھ دیا ہے۔ جزاھم اللہ. اس کتاب پر تبصرہ کرنے کا میرا بھی ارادہ ہے، وباللہ التوفیق.

غیر مقلدین کے ہاں تارک تقلید اور اہلِ حدیث کہلوانے والے بزرگ امیر یمانی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ جماعتِ تراویح کو بدعت ضلالہ قرار دیتے ہوئے لکھا۔

''عَرَفْتَ اَنَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ هُوَالَّذِیْ جَعَلَهَا جَمَاعَةً عَلٰی مُعَیَّنٍ وَّسَمَّاهَا بِدْعَةً وَّ اَمَّا قَوْلُهٗ نِعْمَ الْبِدْعَةُ فَلَیْسَ فِی الْبِدْعَةِ مَا یُمْدَحُ بَلْ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ [سبل السلام: ۱۲/۲]

تم نے جان لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے تراویح کو ایک مقرر کردہ امام کے ساتھ جماعت کی صورت دی اور اس کا نام بدعت رکھا، آپ کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے تو بدعت کوئی بھی قابل تعریف نہیں بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

یمانی صاحب کی مذکورہ عبارت ہم نے محترم جناب حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب دام ظلہ کی کتاب ''رکعاتِ تراویح، ایک تحقیقی جائزہ: ۳۵۲'' سے نقل کی ہے۔

محمد جونا گڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر حضرت عمر نے یہ فتوی ابدالآباد کے لیے شرعی طور پر ہی دیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ آپ اور ہم اسے کیوں مانیں، ہم فاروقی تو نہیں ہیں ہم نے ان کا کلمہ تو نہیں پڑھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے۔'' [نکاح محمدی بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ: ۲۵۲/۲]

محمد جونا گڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''یہ فاروقی فیصلے شرعی احکام نہیں ہیں۔'' [نکاح محمدی: ۹۶، ناشر اہل حدیث اکیڈمی مؤناتھ بھنجن یوپی]

محمد جونا گڑھی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''حدیث رسولؐ برحق ہے، روایت عمر سچی ہے لیکن درایت عمر صحیح نہ تھی۔''

[شمع محمدی: ۲۶، اہلِ حدیث اکیڈمی مؤناتھ بھنجن]

محمد جونا گڑھی غیر مقلد نے لکھا:

''شریعت اسلام میں تو خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی طرف سے بغیر وحی الٰہی کے کچھ

فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں۔" [طریق محمدی: ۷۰ طبع اہلِ حدیث اکیڈمی مئوناتھ بھنجن یوپی]
اس کتاب پر صفی الرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد کی تقریظ ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی بغیر وحی کے حجت نہیں تو وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول کس دلیل کی بنیاد پر پیش کر رہے ہیں؟

علی زئی نے لکھا:

"اصل حجت اور دلیل قرآن، حدیث اور اجماع ہے۔" [نور العینین:۱۷۴]

اس عبارت کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول نہ قرآن ہے، نہ حدیث نبوی اور نہ ہی اجماع۔ جب بات یونہی ہے تو علی زئی صاحب کے نزدیک اُن کا قول حجت کیسے بن گیا؟

(ج) یہاں ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے کہ غیر مقلدین کے ہاں آٹھ تراویح کا موقف حتمی نہیں کہ اس سے کم وبیش تراویح جائز نہ ہو۔ بلکہ اُن کے نزدیک تو بیس تراویح بھی درست ہے۔ ویسے جب غیر مقلدین کے ہاں تراویح، وتر اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ تہجد آٹھ رکعات سے کم وبیش ثابت ومسنون ہے۔ اسی طرح وتر بھی غیر مقلدین کے ہاں ایک، تین، پانچ بلکہ اس سے بھی زائد ثابت ومسنون ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ تراویح کی تعداد اُن کے ہاں آٹھ سے کم اور زیادہ بھی مسنون ہو۔ اَب چند نقول ملاحظہ ہوں۔

سید حسین مدنی غیر مقلد "رکعات تراویح اور علماء کا موقف" عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ قیام رمضان (تراویح) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی متعین تعداد وارد ہے جس میں کسی بھی طرح کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی تو یقیناً وہ کھلی غلطی پر ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ۲۲/ ۲۷۲) سعودی عرب کی کمیٹی برائے تحقیق وافتاء نے کہا ام المؤمنین کا سابقہ بیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر عمل کے متعلق ہے، اور اگر کوئی اس سے زائد پڑھنا چاہے تو کوئی حرج کی بات نہیں، کیوں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ اللیل (تراویح) کے متعلق دریافت کیا گیا تو کیفیت بتائی اور ۱۱/رکعات وغیرہ کی مقدار متعین نہیں۔ (صحیح البخاری ابواب الوتر باب ما جاء فی الوتر ح ۹۹۰/ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما) جس سے پتا چلتا ہے کہ اس مسئلے میں رمضان وغیر رمضان دونوں میں تعداد رکعات کے متعلق گنجائش پائی جاتی ہے۔ (فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ ...الصلوٰۃ صلوٰۃ التراویح حکم صلوٰۃ التراویح فتویٰ نمبر: ۳۹۵۳) امام ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رکعات قیام رمضان (تراویح) کی تعداد سے متعلق راجح قول یہ ہے کہ وہ ۱۱/ یا ۱۳/ رکعات ہیں ...لیکن اس سے زیادہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ جب صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ اللیل (تراویح) کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ اسے دو دو

رکعات کی شکل میں ادا کرنی چاہیے۔ واضح رہے کہ نبی ﷺ نے اسے رکعات کی تعداد نہیں بتائی جب کہ اسے اس کی بھی ضرورت تھی ، کیوں کہ پوچھنے والے کو مقدار اور کیفیت دونوں کا پتا نہیں تھا،لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صرف کیفیت بتائی اور مقدار کے متعلق خاموشی اختیار فرمائی تو پتا چلا کہ مقدار میں گنجائش ہے اور اسی لئے سلف صالحین کا اس مسئلے میں مختلف عمل رہا ہے، لہٰذا گیارہ اور تیرہ سے زیادہ رکعات کو نا جائز اور بدعت قرار دینا سابقہ روایت اور سلف صالح کے عمل کے پیش نظر ضعیف قول ہے۔(**قسم الفقه لابن العثيمين** ، باب صلوۃ التطوع ،سوال نمبر: ۷۹۸ بتاریخ ۱۴/۱/۱۹،ہجری) مزید فرمایا کہ ہمارے لئے بڑے ہی افسوس کا مقام ہے کہ ہم امت مسلمہ میں ایک ایسے گروہ کو دیکھتے ہیں جو گنجائش والے مسائل میں اختلاف کر بیٹھتا ہے، نتیجتاً علمی اختلاف کو دلوں میں اختلاف پیدا کرنے کا سبب بناتا ہے، جب کہ جاننا چاہیے کہ امت میں اختلاف عہد صحابہ میں بھی تھا لیکن ان کے دل ایک تھے۔(الشرح المقنع ، کتاب الصلوۃ صلوۃ الجماعۃ: ۴ر ۱۵۹) شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ رکعات تراویح کو بڑے ہی محققانہ انداز سے ثابت کیا، لیکن فرمایا کہ کوئی ہرگز یہ نہ سمجھے کہ ہم گیارہ سے زیادہ پڑھنے والوں کو گم راہ یا بدعتی سمجھتے ہیں، اور اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کی اپنی کم علمی بلکہ انتہائی درجے کی جہالت ہے۔‘‘(تراویح تحقیق وتقلید کے تناظر میں: ۷،۸)

عمران ایوب لاہوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس رکعتیں بھی پڑھ لیا کرتے تھے اور آخر میں ایک وتر پڑھ لیتے تھے۔اسی طرح یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نماز تراویح تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں سے پانچ رکعتیں وتر ہوتی تھیں اور آٹھ نفل ہوتے تھے۔‘‘ (فقہ الاسلام: ۱ر۲۳۳)

لاہوری صاحب نے جب آٹھ رکعت کو نفل کا درجہ دیا ہے تو یقیناً نوافل آٹھ سے کم یا زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے بلکہ جتنے زیادہ پڑھے جائیں اتنا ہی باعثِ اجر ہوگا۔

غیر مقلدین کے فتاوٰی میں لکھا ہے:

’’یوں نہ کریں کہ بیس پڑھنے والوں کے ساتھ آٹھ پڑھ کر فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔ یہ داؤ اور دھوکہ ہوگا‘‘۔(فتاوٰی علمائے حدیث جلد: ۶ر ۳۵۰)

یہ فتوی ان لوگوں کے لیے ایک تنبیہ ہے جو اَحناف کی مساجد میں صرف آٹھ پڑھ کر کوچ کر جاتے ہیں ان کا یہ عمل غیر مقلد مفتی کے بقول ’’داؤ اور دھوکہ‘‘ ہے۔

علی زئی کے استاد محبّ اللہ شاہ راشدی غیر مقلد قیام حرمین کی یادیں قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’بہر حال اکثر تو میں اکیلا آٹھ رکعت ہی پڑھتا تھا لیکن کبھی کبھی ائمہ کے پیچھے بیس رکعت بھی پڑھ

لیا(کرتا)۔حافظ فتحی مرحوم بھی اسی خیال کے تھے۔ان کے ساتھ دوسرے پڑھنے والے تو آٹھ رکعات کے بعد بیٹھ جاتے یا باہر کسی طرح نکل جاتے لیکن حافظ صاحب مرحوم ہمیشہ ائمہ کے پیچھے بیس رکعات ہی پڑھتے رہے۔“[مجلّہ بحرالعلوم،محدث العصر نمبر بحوالہ ماہنامہ فقاہت مئی ۲۰۰۳ھ:۱۰]

عنایت اللہ اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”تراویح تو ۸، ۲۰، ۴۰ رتک پڑھی جاتی ہیں یہ اموراجتہادیہ ہیں ان میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔“

[جفا ن العجا یه :۱۶۵]

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”جتنی کوئی پڑھ سکے پڑھ لے۔کوئی چار پڑھے یا آٹھ،کوئی بیس پڑھے یا چالیس۔اعتراض کی کوئی بات نہیں۔“[رسائل بہاولپوری:۱۳۷]

غلام رسول قلعوی غیر مقلد نے بیس رکعات تراویح کے اثبات میں بزبان فارسی ”رسالہ تراویح“ لکھا ہے۔جو حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ترجمہ کے ساتھ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ سے مل جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی ایک کتاب میں لکھا ہے:

”کوئی بیس تراویح پڑھے،چالیس پڑھے،ساری رات پڑھتا رہے،آٹھ پڑھے۔ہمارے نزدیک سب ٹھیک ہے۔“[تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی:۵۸]

آئندہ ہم ان شاء اللہ غیر مقلدین کی عبارتیں نقل کریں گے کہ عہد عمری میں بیس رکعات تراویح ہوا کرتی تھی۔

درج ذیل آلِ غیر مقلدیت نے لکھا ہے کہ تراویح کی تعداد متعین نہیں۔

شوکانی۔[نیل الاوطار:۵۳/۳]

نواب صدیق حسن۔[الانتقاد الرجیح:۶۱]

میر نورالحسن۔[عرف الجادی:۸۴]

وحید الزمان۔[نزل الابرار:۱۲۶/۱]

۶۱۶

یہاں علی زئی نے مؤطا امام مالک کا حوالہ دیا۔اور دوسرے مقام پہ یوں لکھا:

”امام مالک وغیرہ نے ذاتی دشمنی کی وجہ سے انہیں[محمد بن اسحاق کو(ناقل)]شدید جروح کا نشانہ بنایا ہے۔“[الکواکب الدریۃ:۴۲]

۶۱۷

علی زئی نے علماء کی فہرست میں امام عینی رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کو بھی پیش کیا جب کہ وہ دونوں مقلد ہیں اور غیر مقلدین کے ہاں مقلد جاہل ہوتا ہے۔

۶۱۸

امام عینی رحمہ اللہ کا مقام دیکھنے کے لیے عبد الرشید عراقی غیر مقلد کی کتاب ''کاروان حدیث'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

نخب الافکار کتاب بندہ کے پاس نہیں ہے۔

علی زئی کی تحریر میں امام عینی رحمہ اللہ کے ساتھ لفظ ''حنفی'' مذکور ہے اور انہوں نے اپنی دوسری کتاب میں بھی ''عینی حنفی'' لکھا اور پھر کہا:

''جن علماء کے ساتھ حنفی وغیرہ کا دُم چھلا لگا ہوا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ وہ مقلد تھے۔ بلکہ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ اُن کا طریقہ استدلال اور اصول اسی طرح کے ہیں جس طرح کے امام ابوحنیفہ وغیرہ کے اُصول تھے۔'' [علمی مقالات:۲/۶۰۵]

حاصل یہ کہ علی زئی کے نزدیک امام طحاوی رحمہ اللہ اور امام عینی رحمہ اللہ غیر مقلد ہیں گویا وہ ہمارے خلاف اپنے مزعوم غیر مقلدین کے حوالے پیش کر رہے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ طحاوی و عینی ہمارے نزدیک مقلد ہیں، اس لیے الزاماً ان کے حوالہ پیش کئے۔ عرض ہے کہ علی زئی کہتے ہیں کہ اگر الزامی حوالہ ہو تو اس کے الزامی ہونے کی تصریح کر دینی چاہیے۔ یہاں علی زئی نے الزامی ہونے کی کوئی تصریح نہیں کی۔

۶۱۹

ضیاء المقدسی کا نام تو علی زئی نے لکھ دیا مگر کوئی حوالہ نہیں دیا۔

۶۲۰

علی زئی تو امام طحاوی رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کر رہے ہیں جب کہ اُن کے غیر مقلدین ان پر گھناؤنا الزام لگایا کرتے ہیں، مثلاً:

عنایت اللہ اثری غیر مقلد (وزیر آبادی) لکھتے ہیں:

''پس طحاوی حنفی کا بیان قابلِ وثوق نہیں۔ یہ امام مزنی کا بھانجا اور شاگرد ہے جو اُن سے بگڑ کر حنفی ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا حنفی ہوتے ہی امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے فتووں کی تائید میں ایک مستقل کتاب

بنام ''شرح معانی الآثار'' لکھ ماری کہ جس میں ضعیف حدیثوں کی تصحیح اور صحاح کی تضعیف کرکے احناف کی خوب رضاجوئی کی۔'' (مجموعہ رسائل اثری: ۳۶/۱، **مکتبۃ الاثریۃ گجرات**)

قریباً اس طرح کی عبارت عبدالعزیز ملتانی غیر مقلد نے درج کی ہے۔ [**فیصلہ رفع یدین**: ۱۰ مندرج استیصال التقلید طبع فاروقی کتب خانہ ملتان بحوالہ **حدیث اور اہلِ حدیث**: ۱۱۱]

۶۲۱

علی زئی نے ''فھذا یدل'' کو الفاظ تصحیح قرار دیا۔ جب کہ وہ دوسروں سے صریح الفاظ تصحیح کا مطالبہ کیا کرتے ہیں۔

۶۲۲

عبداللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ہندوستان ضلع پٹنہ میں نیمی ایک بستی ہے۔ وہاں مولانا ظہیر احسن شوق حنفی مذہب کے ایک عالم ہوئے ہیں جو مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی ؒ کے شاگرد تھے۔ پہلے وہ اُردو زبان کے شاعر تھے۔ اُنہوں نے حسن و شام کی کہانی بھی نظم میں لکھی ہے۔ شوق ان کا تخلص ہے۔ پھر اُن کو حدیث کا شوق ہوگیا۔ انہوں نے بلوغ المرام کی طرز پر حنفی مذہب کی تائید میں حدیث کی ایک کتاب لکھی جس کا نام آثار السنن ہے۔''

[مسئلہ تکبیرات عیدین: ۲۹ ناشر مکتبہ تنظیم اہلِ حدیث نزد چوک دالگراں لاہور]

۶۲۳

کئی غیر مقلدین نے اپنی کتابوں میں کہا ہے کہ سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں۔ مثلاً:

عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں:

''**ان صحۃ السند لا یستلزم صحۃ المتن**، بے شک سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو لازم نہیں۔'' [ابکار المنن: ۲۸]

علی زئی کے استاد محمد گوندلوی لکھتے ہیں:

''اور صحت سند صحتِ متن کو مستلزم نہیں ہے۔'' [التحقیق الراسخ: ۱۱۷]

بخاری میں نکاح محرم کے جواز والی حدیث کی سند غیر مقلدین کے ہاں صحیح ہے مگر متن کو صحیح نہیں مانتے جیسا کہ حاشیہ: ۶۱۵/ میں مذکور ہوا۔ (جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

فہرست دارالامین لاہور (رابطہ: 0312-4612774)

شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	صفحات	نٹ قیمت
۱	مظہر کرم (سوانح مولانا قاضی مظہر حسینؒ)	مولانا عبدالجبار سلفی	1200	900
۲	تحفظ عقائد اہل سنت (اکابر کا اصل مسلک)	مولانا عبدالرحیم چار یاری	طبع اول	500
۳	علمائے اہل سنت دیوبند کے خلاف سازشیں	مولانا عبدالرحیم چار یاری	424	400
۴	فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع	مولانا مفتی رب نواز	512	400
۵	مجلّہ صفدر علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر	دو جلد	1672	2000
۶	برصغیر میں اسلام کی آمد اور اسلامی عقائد	مولانا عبدالحق خان بشیر	192	225
۷	نماز تراویح اور مذاہبِ اہل حدیث	مولانا عبدالحق خان بشیر	184	200
۸	قادیانی نبوت کے نشیب و فراز	مولانا عبدالحق خان بشیر	96	100
۹	مرزا قادیانی کا فقہی مذہب: غیر مقلدیت	مولانا عبدالحق خان بشیر	208	200
۱۰	جاوید غامدی سے ناراضگی کے اسباب	مولانا عبدالحق خان بشیر	344	320
۱۱	عقیدہ حیات النبی اور مولانا سخی داد خوستی	مولانا عبدالحق خان بشیر	72	60
۱۲	اسرائیلی ریاست اور غامدی، ناصری، شیرانی	مولانا عبدالحق خان بشیر	64	70
۱۳	سب کہو سبحان اللہ! (منظوم)	انجم نیازی	160	150
۱۴	حیات النبی کی خوشبوئیں (منظوم)	انجم نیازی	192	180
۱۵	کرنیں ایک ہی مشعل کی (منظوم)	انجم نیازی	326	270
۱۶	سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا (منظوم)	انجم نیازی	216	180
۱۷	سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (منظوم)	انجم نیازی	224	210
۱۸	غم زدوں کو بشارت	مولانا مفتی محمد شریف عابر	48	50
۱۹	ذکر و اعتکاف میں مروجہ بدعات	شیخ الحدیث مولانا محمد صدیقؒ	72	70
۲۰	سنی موقف (عقائد و افکار میں راہ نما اصول)	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	48	70
۲۱	حقانیت اہل السنۃ والجماعۃ	مولانا قاضی مظہر حسینؒ		